ماہنامہ

جہد حق

پاکستان کمیشن
برائے انسانی حقوق

Registered No. CPL-13 (قیمت 10 روپے) جلد نمبر 29 ...... شمارہ نمبر 03 ...... مارچ 2022

ڈاکٹر مہدی حسن ...... ایک عہد جو تمام ہوا (1937-2022)

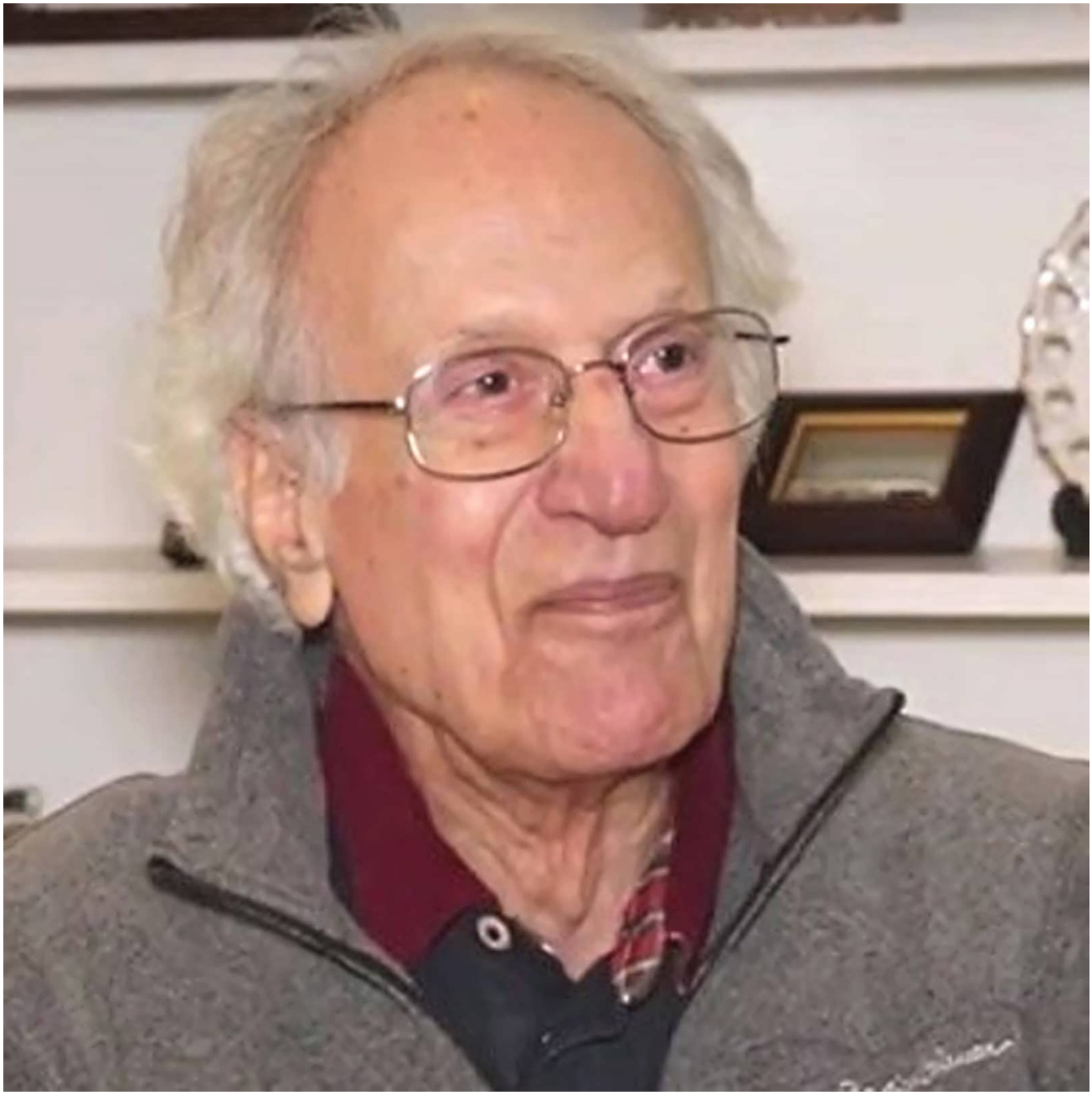

انسانی حقوق کی موجودہ صورت حال پر چیئرپرسن کا بیان

معاشی بحران اور سیاسی بے یقینی اور عدم استحکام کے اس ماحول میں ملک بھر میں انسانی حقوق کی پامالیاں بڑھتی چلی جارہی ہیں۔ جہاں غربت، بے روزگاری اور بے گھری نے عوام کو انتہائی بے بسی سے دوچار کر رکھا ہے وہاں شہری اور سیاسی حقوق پر پے در پے قدغنوں کے باعث لوگوں کی انصاف تک رسائی بھی مشکل سے مشکل تر ہوتی جارہی ہے۔

انسانی حقوق کے فروغ اور تحفظ کے لیے جن اہم ترین بنیادی آزادیوں کا موجود ہونا ناگزیر ہے وہ ہی حقوق آج سب سے زیادہ حکومت کے حملوں کی زد میں ہیں۔ آزادئ رائے اور اظہار پر تازہ ترین حملہ PECA کے قانون میں آرڈیننس کے ذریعہ ترمیم کر کے کیا گیا ہے۔ یہ قانون نواز شریف کے دور میں انسانی حقوق اور صحافی برادری کی شدید مخالفت کے باوجود نافذ کیا گیا۔ اِس قانون کے ذریعے سائبر ذرائع ابلاغ پر ناجائز حد تک پابندیاں لگائی گئیں اور کسی قسم کی تنقید کو ہتک عزت کا رنگ دے کر جرم کی شکل دے دی گئی۔ موجودہ حکومت نے اِس قانون میں ترمیم کر کے اس کو اور زیادہ جابرانہ بنا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سول سوسائٹی بشمول صحافی، وکلاء اور انسانی حقوق کے کارکنوں میں تشویش اور غصہ کی لہر دوڑ گئی ہے اور صحافی اور وکلاء تنظیموں نے PECA کے قانون کو مختلف عدالتوں میں چیلنج کر دیا ہے۔

انسانی حقوق کے کارکنوں کے لیے ایسی صورتِ حال نئی نہیں اور پاکستان کے ہر خطے میں یہ کارکن حقوق کی پامالی کی نشاندہی بھی کر رہے ہیں اور عوامی احتجاج کو سہولت اور حمایت بھی فراہم کر رہے ہیں۔ جبر کے اِس ماحول میں انسانی حقوق کے فروغ کا کام خطرے سے خالی نہیں۔ خاص طور پر اُن کارکنوں کی کاوشیں جو ملک کے دور دراز علاقوں میں جبر اور معاشی تباہ حالی کے خلاف مسلسل آواز اُٹھا رہے ہیں، قابلِ تحسین ہیں۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق اپنے سب ساتھیوں کی ہمت اور حصولِ حقوق کی جنگ میں بلا خوف و خطر جمے رہنے پر فخر کرتا ہے۔ موجودہ ماحول میں اُن کی کاوش ہی اُمید کی روشنی ہے۔

چیئرپرسن
حنا جیلانی

فہرست

پریس ریلیزیں 03

ڈاکٹر مہدی حسن بہاراں پہ خاک ڈال گئے 05

ڈاکٹر مہدی حسن: معاشرے کو بہتر بنانے کے خواب بکھر کر رہ گئے 06

ڈاکٹر مہدی حسن: ایک عالم کی موت 08

عاصمہ جہانگیر کی جدوجہد کا مختصر ذکر 09

مذہب کی بے حرمتی کے الزام پر مشتعل ہجوم کے ہاتھوں قتل 10

پاکستان میں احمدیوں کی قبروں کی بے حرمتی 12

عورت مارچ اس سال اجرت، تحفظ اور خواتین کے لیے سکون پر توجہ مرکوز کرے گا 16

جنسی ذہنیت اور پنجاب پولیس فورس میں صنفی عدم توازن 17

گلگت بلتستان مستقل صوبہ کیوں نہیں بن سکتا 19

کوئلہ کی کان میں دھماکہ سے 2 مزدور جاں بحق 20

ایچ آر سی پی نے عورتوں کے قومی دن پر اُن کی ثابت قدمی کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے

خواتین کے قومی دن کو مناتے ہوئے، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کو خواتین کی تحریک کا حصہ بننے اور اُن ہزاروں خواتین کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہونے پر فخر ہے جو گھر کے اندر اور عوامی مقامات پر اپنے حقوق لینے کے لیے رُجعتی قوانین اور جابرانہ نظاموں کے خلاف مزاحم ہوئی ہیں۔

یہ اُن کی ثابت قدمی اور جذبے کا ثبوت ہے کہ پاکستان میں خواتین کی تحریک اب نسل، عقیدے، عمر، صنفی شناخت، معذوری اور طبقے کی حدود سے بالاتر ہے۔ اگرچہ حالیہ برسوں میں خواتین کے خلاف تشدد کے واقعات اور دائرہ کار میں اضافہ ہوا ہے جس کی مثالیں ہمیں اسلام آباد میں نور مقدم کے بہیمانہ قتل سے لے کر بلوچستان میں خواتین کی جبری گمشدگی اور ماورائے عدالت قتل سے ملتی ہیں تو اُن میں انصاف ہوتا ہوا دیکھنے کی صلاحیت بھی بڑھی ہے۔

یہ عورتوں اور اُن کے ساتھیوں کی انتھک وکالت کی بدولت ہی ممکن ہوا ہے کہ آج عورتوں کو تشدد، ہراسانی اور بدسلوکی سے ماضی کی نسبت بہتر تحفظ حاصل ہے، کم از کم قانون کی حد تک۔ اِس کے باوجود، ایچ آر سی پی مستقبل میں اِس سے بھی سخت لڑائیاں دیکھ رہا ہے جن کے مقابلے کے لیے ہمیں یقین ہے کہ حقوق کی دفاع کار عورتوں کی نئی نسل پوری طرح تیار ہے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 12 فروری 2022]

پشتون کارکنان کو جبری طور پر لاپتہ کر دیا گیا ہے، انہیں رہا کیا جائے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کو یہ جان کر تشویش ہے کہ 20 جنوری کو انارکلی لاہور میں بم دھماکے کے بعد کم از کم چار پشتونوں کو جبری طور پر لاپتہ کر دیا گیا ہے۔ ایچ آر سی پی کے ذرائع کے بعد، 22 جنوری کو لاہور ریلوے اسٹیشن کے قریب سے دو افراد کو اٹھا کر لاپتہ کیا گیا۔ ان کے عزیز و اقارب کو واقعے کی ایف آئی آر درج کروانے میں لگ بھگ دس روز لگے۔ سادہ کپڑوں میں ملبوس افراد نے 26 جنوری کی علی الصبح ایک اور پشتون کے فلیٹ پر چھاپہ مار کر اسے اٹھا کر لاپتہ کر دیا۔ سادہ کپڑوں میں ملبوس کچھ لوگوں نے ہی رکشہ میں سوار ایک پشتون کو رکشہ سے اتار کر لاپتہ کر دیا۔ اٹھائے جانے والے لوگوں کی گرفتاری کے پروانے جاری نہیں ہوئے تھے اور ان کے دوست اور رشتہ داران کا اتا پتا معلوم کرنے سے قاصر ہیں۔ بعد میں پیش آنے والے دونوں واقعات میں، پولیس نے ایف آئی آر درج کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اِسی طرح کی ایک تشویش ناک صورتحال میں انارکلی بم دھماکے کے تناظر میں 22 جنوری کو چھاپے مار کر چار بلوچ طلباء کو حراست میں لیا گیا اور پھر رہا کر دیا گیا تھا۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ تمام چاروں افراد کا سراغ لگایا جائے اور ان کے جسمانی وقار اور عظمت کے حق کی ضمانت دی جائے، اگر انہیں یا کسی کو بھی حراست میں لینا درکار ہو تو پھر قانون نافذ کرنے والے اہلکار باضابطہ طریقہ کار کی پیروی کرنے اور واضح طور پر یہ بتانے کے پابند ہیں کہ ان لوگوں کن الزامات کی وجہ سے حراست میں لیا گیا اور کہاں رکھا جا رہا ہے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 22 فروری 2022]

ایچ آر سی پی کو جبری گمشدگیوں پر تشویش ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کو (ایچ آر سی پی) بلوچستان اور ملک کے باقی حصوں میں جبری گمشدگیوں کی تازہ لہر کی اطلاعات پر تشویش ہے۔ ان میں حال ہی میں قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد میں پوسٹ گریجوایٹ کے طالبعلم حفیظ بلوچ کی جبری گمشدگی بھی شامل ہے۔ مسٹر بلوچ کو مبینہ طور پر خضدار میں لاپتہ کیا گیا تھا، جہاں وہ ایک مقامی اسکول میں رضاکارانہ طور پر کام کرتے تھے۔ اطلاعات سے پتا چلا ہے کہ اُنہیں اُن کے شاگردوں کے سامنے اغوا کیا گیا۔ اِس شرمناک اقدام سے ظاہر ہوتا کہ کہ مجرموں کو سزا سے کس حد تک استثنیٰ حاصل ہے۔ مسٹر بلوچ کو فوری طور پر بازیاب کرایا جائے اور مجرموں کی نشاندہی کر کے اُن کا محاسبہ کیا جائے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ جبری گمشدگیوں کو جرم قرار دینے کا حکومت کا کیا گیا وعدہ بدستور کھوکھلا نظر آ رہا ہے۔ بلوچستان یونیورسٹی کے دو طالب علموں کو گزشتہ نومبر میں مبینہ طور پر لاپتہ کر دیا گیا تھا، لیکن یونیورسٹی میں طلبا کے طویل دھرنے کے بعد اُنہیں بازیاب کرائے جانے کی مبہم یقین دہانیوں سے بڑھ کر کوئی پیش رفت سامنے نہیں آئی۔

ایچ آر سی پی صوبے میں جبری گمشدگیوں پر پائی جانے والی خاموشی کے تسلسل پر خاص طور پر فکر مند ہے، جسے مرکزی دھارے کے ذرائع ابلاغ دیدہ دانستہ نظرانداز کر رہے ہیں۔ ریاست کو سمجھنا چاہیے کہ وہ بلوچ عوام کی جائز شکایات کے حل کی توقع نہیں رکھ سکتی اگر وہ ان شکایات کو عوام کی نظروں میں آنے کی اجازت نہیں دے گی۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 17 فروری 2022]

پشاور میں پادری کا قتل بہیمانہ تشدد کا مظہر ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے پادری ولیم سراج کے قتل کی شدید مذمت کی ہے جنہیں پشاور میں اس وقت قتل کیا گیا جب وہ گرجا سے اپنے گھر جا رہے تھے۔ محترم پیٹرک نعیم بھی حملے میں زخمی ہوئے تھے۔

ایچ آر سی پی کے خیال میں یہ نہ صرف پاکستان کی مسیحی برادری بلکہ تمام مذہبی اقلیتوں پر بہیمانہ حملہ ہے جن کا حق زندگی و سلامتی مسلسل خطرات کی زد میں ہے۔ ہم خاص طور پر فکرمند ہیں کہ ملک بھر میں بنیاد پرستی کے بڑھتے رجحانات کے دوران مذہبی اقلیتیں اور زیادہ غیر محفوظ ہو جائیں گے اور ان کے خلاف تشدد بلا روک ٹوک جاری رہنے کا خدشہ ہے۔

عدالتِ عظمیٰ کے تصدق جیلانی فیصلے کو صادر ہوئے آٹھ برس گزر چکے ہیں جس میں ریاست سے مذہبی اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے ریاست کو ٹھوس اقدامات تجویز کیے گئے تھے۔ اگر پاکستان کو انتہائی دائیں بازو کے پہنچائے گئے نقصان کا مداوا کرنا ہے تو اِس وقت اِس چیز کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے کہ ریاست کے تمام ادارے اِس فیصلے کے بنیادی اصولوں کو سمجھیں اور ان کے اطلاق کو یقینی بنائیں۔ عدالتِ عظمیٰ کے تصدق جیلانی فیصلے کا تقاضا ہے کہ مذہبی اقلیتوں پر تشدد کے واقعات کی فی الفور تحقیقات کی جائے اور مجرموں کے خلاف کارروائی کی جائے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 31 جنوری 2022]

جہد حق پڑھنے والے توجہ کریں

- آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔

جو خامیاں / کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔

- آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ / اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

HRCP کا رکن متوجہ ہوں

''جہد حق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتہ تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جا سکے۔

جہد حق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے ویب سائٹ پر موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

ڈاکٹر مہدی بہاراں پہ خاک ڈال گئے

وجاہت مسعود

درویش کی رائے میں قائداعظم محمد علی جناح پاکستان کے پہلے اور آخری حکمران تھے جو صحافت کی آزادی میں حقیقی ایقان رکھتے تھے۔ قائد نے سریندر ناتھ بینرجی، گوپال گوکھلے اور تلک جیسے رہنماؤں کی رفاقت میں جدوجہدِ آزادی کی بنیاد رکھی تھی، وہ قومی آزادی، جمہوریت اور آزاد صحافت کا باہم تعلق سمجھتے تھے۔ ہم نے قائد کے تصورات سے جو سلوک کیا اس کا ایک اشارہ یہ ہے کہ مارچ 1948 میں قائداعظم نے جس مسودہ قانون پر دستخط کرنے سے انکار کیا تھا، اکتوبر 1948 میں اسے پبلک سیفٹی ایکٹ کے عنوان سے مسلط کر دیا گیا۔ تب بھی معاملہ بغیر مقدمہ چلائے نظر بند کرنے کا تھا، آج بھی بغیر ضمانت کے چھ ماہ قید رکھنے کے عزائم ہیں۔ ڈاکٹر مہدی کی زندگی ایک روشن خیال، جمہوری، ترقی پسند اور ترقی یافتہ پاکستان کے خواب میں گزری۔ اس خواب کو کسی سازش، کالے قانون اور انتظامی ضابطے سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔

23 فروری کی دوپہر عین اس گھڑی جب اسلام آباد ہائی کورٹ پاکستان میں اظہار کی آزادی پر تازہ ترین ریاستی حملے پیکا (peca) کے سیکشن 20 پر عمل درآمد روک رہی تھی، لاہور کی ایک نواحی بستی میں صحافت کی آزادی کے ایک بہادر سپاہی ڈاکٹر مہدی حسن نیند کے عالم میں بغیر آہٹ کیے ابدی نیند کی وادی میں اتر گئے۔ ٹھیک ساٹھ برس پہلے 24 سالہ مہدی حسن ایوب آمریت کے خلاف ایک مضمون لکھنے کی پاداش میں گرفتار ہو کر 1962 میں ساہیوال جیل بھیجے گئے تھے۔ دریا کی ساری عمر روانی میں کٹ گئی۔ قلم حرف حق لکھتا رہا، تقریر تاریخ کے بیباک بیان کرتی رہی۔ معاش اندھے جبروت کی سنگین دیوار سے مسلسل دست و گریبان رہا۔ احساس پر جہل کے دشنام اور جسم پر عناد کے زخم کھاتے ضعیف سپاہی نے بالآخر وقت کے سیل بے اماں کے سامنے سپر ڈال دی۔ اگر جہالت کے رقبہ تاریک پر علم کی روشنی کرتے، رائیگانی کے امکان کو تخلیق کی سرمدی وارفتگی سے شکست دیتے اور کرہ ارض پر پھیلی انسانی درماندگی کے لئے بلا امتیاز ہمدردی کا درماں کرتے زندگی بسر ہو تو وقت سے ہار مان لینے میں شرمساری نہیں، فرد کی ممکنہ ترین معنویت کا اعلان سنائی دیتا ہے۔ ہمارے ڈاکٹر مہدی حسن ایسے ہی تھے۔ 'ہر اک نوشتہ و فرماں پہ خاک ڈالتے ہیں/ غلام، فرق خدایاں پہ خاک ڈالتے ہیں'۔

مجھے اپنے اساتذہ، بزرگوں اور رہنماؤں کی شفقت بیان کرتے ہوئے جھجک ہوتی ہے۔ چھتنار پیڑوں کا کام ہی چھاؤں دینا ہے۔ اگر ہمیں ان کی مہر بے پایاں سے کچھ حصہ ملا تو اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں، ہم نہیں ہوتے تو ٹھنڈک کی ان موتی بوندوں سے راہِ وفا شعاراں کے کچھ اور کنکر پتھر نہال ہوئے ہوتے۔ معاف کیجئے گا، میں ڈاکٹر مہدی کے لئے صاحب یا مرحوم کے سابقے استعمال نہیں کر سکوں گا۔ وہ صاحب نہیں تھے، رفیق تھے۔ ڈاکٹر مہدی دس برس کی عمر میں پانی پت سے لاہور آئے تھے اور زادِ سفر میں پانی پت ہی کے الطاف حسین حالی کی روایت لائے تھے، ہم نے ہرادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا/ خاکساری اپنی کام آئی بہت۔ مرحوم لکھنے سے معذور ہوں کہ وہ رخصت کہاں ہوئے؟ اس ملک میں صحافت، تدریس، انسانی حقوق اور انصاف کے لئے جدوجہد کی درخشاں روایت کا بدستور حصہ رہیں گے۔ اس ملک میں صحافت کا سفر کبھی آسان نہیں رہا لیکن گزشتہ کچھ مہینوں میں ہماری صحافت یکے بعد دیگرے ایسے قدآور اساتذہ سے محروم ہوئی ہے کہ شہر اظہار کی فصیل منہدم ہو گئی ہے۔ 12 اپریل 2021 کو آئی اے رحمان رخصت ہو گئے۔ 29 نومبر 2021 کو محمد ضیا الدین مفارقت دے گئے اور اب ڈاکٹر مہدی حسن۔ اس ملک میں کتاب مزاحمت کی تدوین جاری رہے گی لیکن علم، پیشہ ورانہ مہارت اور ذہنی دیانت کے ان استعاروں کا متبادل ملنا مشکل ہو گا۔

درویش کی رائے میں قائداعظم محمد علی جناح پاکستان کے پہلے اور آخری حکمران تھے جو صحافت کی آزادی میں حقیقی ایقان رکھتے تھے۔ قائد نے سریندر ناتھ بینرجی، گوپال گوکھلے اور تلک جیسے رہنماؤں کی رفاقت میں جدوجہدِ آزادی کی بنیاد رکھی تھی، وہ قومی آزادی، جمہوریت اور آزاد صحافت کا باہم تعلق سمجھتے تھے۔ ہم نے قائد کے تصورات سے جو سلوک کیا اس کا ایک اشارہ یہ ہے کہ مارچ 1948 میں قائداعظم نے جس مسودہ قانون پر دستخط کرنے سے انکار کیا تھا، اکتوبر 1948 میں اسے پبلک سیفٹی ایکٹ کے عنوان سے مسلط کر دیا گیا۔ تب بھی معاملہ بغیر مقدمہ چلائے نظر بند کرنے کا تھا، آج بھی بغیر ضمانت کے چھ ماہ قید رکھنے کے عزائم ہیں۔ ڈاکٹر مہدی کی زندگی ایک روشن خیال، جمہوری، ترقی پسند اور ترقی یافتہ پاکستان کے خواب میں گزری۔ اس خواب کو کسی سازش، کالے قانون اور انتظامی ضابطے سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔

ڈاکٹر مہدی نے نامہ نگار کی حیثیت سے صحافت شروع کی۔ لاہور پہنچ کر ایک نیوز ایجنسی کی بنیاد رکھی۔ 1966ء میں پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ صحافت میں تدریسی فرائض سنبھالے۔ صحافت کے استاد کی حیثیت سے ڈاکٹر مہدی کے اصل جوہر کھلے۔ انہوں نے پچاس برس تک صحافیوں کی تین نسلوں کی تربیت کی۔ اپنے ترقی پسند خیالات کی بنا پر رفقائے کار کی چشم حسود کا نشانہ رہے۔ برخود غلط طلبا کی کوتاہ نگاہی کا رنج بھی اٹھایا لیکن ان سے محبت کرنے والے طالب علموں کا ایک انبوہ تھا جو انہیں حصار احترام میں لیے رکھتا تھا۔ ڈاکٹر مہدی کے نظریاتی مخالف بھی ان کی فکری دیانت، ذہنی تہذیب اور اصول پسندی کے قائل تھے۔ ایسے آبلہ پا شخص کو اس سے کیا فرق پڑ سکتا تھا کہ برسوں ان کی ڈاکٹریٹ کی تکمیل میں رکاوٹ ڈالی گئی۔ اٹھارہ برس تک لیکچرر کے گریڈ میں رکھا گیا۔ ڈاکٹر مہدی کی تصانیف پڑھ کر امتحان پاس کرنے والے ان کے ممتحن قرار پاتے تھے۔ پاکستان کے تنخواہیہ طبقے میں ایسی کم ظرفی کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ ضیا آمریت کی مخالفت میں ملازمت سے برطرف کیے گئے۔ عدالت نے ناصحانہ مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ آپ استاد ہوتے ہوئے سیاست میں حصہ کیوں لیتے ہیں؟ ڈاکٹر مہدی نے اپنے مخصوص ٹھہرے ہوئے مگر گرج دار لہجے میں جواب دیا، 'سیاست کی تعلیم دینا بطور استاد میرے منصب کا حصہ ہے'۔ سیاست کی تعلیم وہ طالب علموں ہی کو نہیں، بے نظیر بھٹو اور آصف زرداری کو بھی اسی دوٹوک انداز میں دیتے تھے۔ جب تک پاکستان کی زمین پر ایسے سوجھوان کردار پیدا ہوتے رہیں گے، اس دھرتی کے افتادگانِ خاک کے لیے امید باقی رہے گی۔ تاہم اب زمینی حقیقت بھی دیکھ لیجیے، چالیس برس سے اس ملک کی درس گاہوں میں طالب علموں سے سیاست میں حصہ نہ لینے کا حلف نامہ لیا جاتا ہے۔ تعلیم یافتہ طبقے کو سیاست سے بیگانگی کا حکم دیا جائے گا تو پھر کیا تعجب کہ شہری عملی زندگی میں داخل ہو کر اجتماعی بہتری کی بجائے ذاتی مفاد کی دوڑ میں شریک ہو گا نیز پارلیمنٹ کے فلور پر سیاسی استدلال کی بجائے گالی دشنام کی گونج سنائی دے گی۔

اجاڑ موسم میں ریت دھرتی پہ
فصل بوئی تھی چاندنی کی
اب اس میں اگنے لگے اندھیرے
تو کیسا جی میں ملال رکھنا

(بشکریہ روزنامہ جنگ)

ڈاکٹر مہدی حسن: معاشرے کو بہتر بنانے کے خواب بکھر کر رہ گئے

محمود الحسن

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا!

الطاف حسین حالی کا یہ مصرع پامال ہو چکا لیکن پاکستان کی دانش ورانہ اور تدریسی تاریخ میں جو بہت کم لوگ اس مصرع کے صحیح سزاوار ہیں ان میں ڈاکٹر مہدی حسن کا نام نمایاں تر ہے۔

ڈاکٹر مہدی حسن روشن دماغ تھے۔ روشن خیالی ان کے لیے ذہنی سرگرمی نہیں طرز زندگی کا درجہ رکھتی تھی۔ ڈاکٹر مہدی حسن بے باکی سے سچ کہنے والے اس قبیلے کے فرد تھے جو اب اس ملک میں معدوم ہوتا جا رہا ہے۔

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق

اس رجعت پسند معاشرے میں جس طرح انھوں نے خرد افروزی کا چراغ جلایا یہ انہی کا حصہ تھا۔

عربی زبان وادب کے ممتاز عالم اور اردو کے نامور ادیب محمد کاظم کے اس قول سے اندازہ ہو سکے گا کہ ڈاکٹر مہدی حسن کس قدر پرخطر راہ کے مسافر تھے: 'رجعت پسند اور روایت پرست معاشروں میں آزاد خیالی تو کسی طور پنپ لیتی ہے کہ یہ عموماً شخصی اور انفرادی دائرے میں محدود رہتی ہے لیکن آزادی رائے اپنی سزا بھگتے بغیر نہیں رہتی اور بہت کم ایسا ہوا ہے کہ وہ اپنے انجام سے بچ کر نکل گئی ہو۔'

ڈاکٹر مہدی حسن نے اپنے نظریات کی بڑی بھاری قیمت ادا کی۔ قانون کی حکمرانی پر ان کا یقین تھا۔ اسی یقین نے ان میں آمریت کے خلاف جرات اظہار پیدا کی۔ جب انہوں نے یحییٰ خان کے زمانے میں مارشل لاء پر تنقید کی تو نوکری سے نکالے گئے۔ دس ماہ کی قانونی لڑائی کے بعد بحال ہوئے۔

ضیاالحق کے دور میں بھی نوکری سے برخاست ہوئے اور ہائی کورٹ کے سٹے آرڈر سے یونیورسٹی کا بند دروازہ اپنے لیے کھلوایا۔ ان کے 'جرم' کی نوعیت یہ تھی کہ تحریک بحالی جمہوریت کے دوران نواب شاہ کے ایک قصبے میں نہتے شہریوں پر گولی چلی تو اس جارحیت کے خلاف دستخطی مہم شروع ہوئی۔ وہ اس مہم میں شامل ہوئے۔ ظاہری بات ہے نازک مزاج شاہاں کے لیے یہ جسارت کیسے قابل قبول ہوتی۔

سات برس پہلے ایک قومی اخبار کے لیے ان کا انٹرویو کیا تو کچھ اور حقائق بھی معلوم ہوئے۔ نامور قانون دان رضا کاظم نے ان کا مقدمہ لڑنے کی ہامی بھری لیکن پہلی پیشی سے قبل ہی وہ گرفتار ہو گئے۔ مقدمے کی سماعت شروع ہونے پر

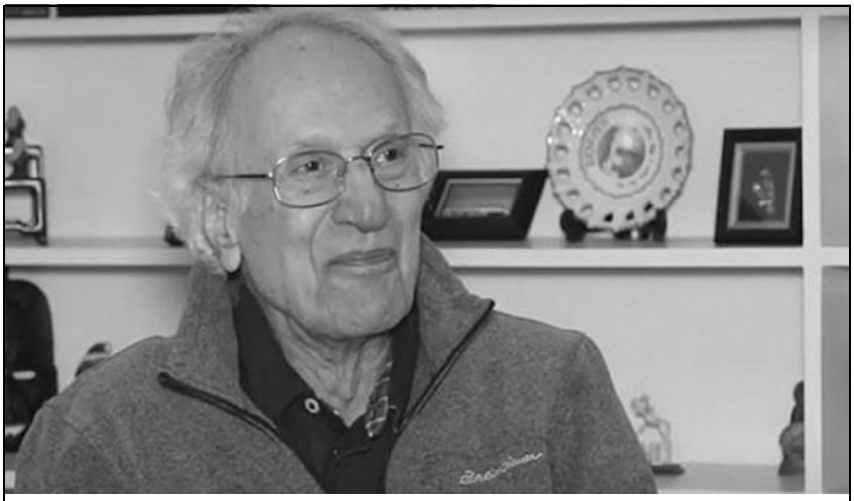

ڈاکٹر مہدی حسن آمریت کے خلاف تھے جس کی انہوں نے بھاری قیمت ادا کی

جج صاحب نے وکیل صاحب کے بارے میں استفسار کیا تو یہ گویا ہوئے کہ وہ آپ کے دائرہ سماعت سے باہر اٹک قلعے میں قید ہیں اس لیے اب میں اپنا وکیل آپ ہوں۔

اس مقدمے کی سماعت کرنے والے جسٹس غلام مجدد مرزا نے ان سے کہا کہ وہ سیاست کیوں کرتے ہیں؟ ڈاکٹر مہدی حسن نے جواب دیا کہ وہ سیاست نہیں کرتے اپنے منصب سے انصاف کی کوشش کرتے ہیں جس کا تقاضا ہے کہ طلبہ کو باور کروایا جائے کہ آمریت ملکی مفادات کے خلاف ہے۔ قصہ کوتاہ یہ کہ انہیں سٹے آرڈر مل گیا جو ان کی ریٹائرمنٹ تک چلا۔

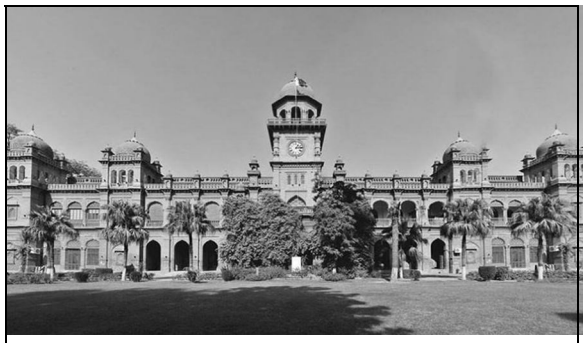

ڈاکٹر مہدی حسن پنجاب یونیورسٹی سے بطور پروفیسر ریٹائر ہوئے

پنجاب یونیورسٹی میں ان کی زندگی اجیرن کرنے میں اسلامی جمعیت طلبہ کا بڑا کردار رہا۔ ان کی کردار کشی ہوئی۔ اس نوع کے پوسٹر لگے: مہدی حسن بھگاؤ ملک بچاؤ!

اس غیر موافق ماحول میں وائس چانسلر نے بھی انھیں عزیمت کے بجائے رخصت کی راہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ ان کا جواب تھا کہ جمعیت کا دائرہ نہر کے پل تک ہے، میرا دائرہ اثر اس کے بعد شروع ہوتا ہے۔

پنجاب یونیورسٹی میں ان پر کیا گزری اس کا قصہ طولانی ہے۔

ذاتی حوالے سے بات کروں تو ان کا نام میں نے سب سے پہلے طارق عزیز کے 'نیلام گھر' میں سنا جب پروگرام کے میزبان، مہدی حسن کے ساتھ ساہیوال سے لاہور آنے کے بعد کڑے زمانے کا ذکر کر رہے تھے۔

انٹرویو میں ان ایام کے بارے میں کریدا تو ڈاکٹر مہدی حسن نے بتایا: '1964 کی بات ہے۔ طارق ریڈیو میں ڈیڑھ سو روپے تنخواہ پر اناؤنسر تھا۔ میں پی پی آئی سے وابستہ تھا اور میری تنخواہ 165 روپے تھی۔ بھاٹی گیٹ کے قریب ہم ایک کمرے میں رہتے، جس کا کرایہ میں دیتا کیونکہ میری تنخواہ طارق سے زیادہ تھی۔ اس زمانے میں کرائے کے کمروں میں پنکھوں کا رواج نہیں تھا۔ ایک روز گرمی نے طارق کو خاصا زچ کیا تو ہم لاء کالج کے پرنسپل کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ چھٹیوں میں اگر ایک کمرے میں ہمیں رہنے کی اجازت مل جائے تو مہربانی ہو گی، وہ مان گئے۔ برابر کے کمرے میں جمعدار گرمیوں کی چھٹیاں انجوائے کرتے۔ ایک دن ڈیوٹی سے واپس آیا تو طارق خلاف معمول جاگ رہا تھا، میں نے کہا سوئے نہیں؟ اور تم میری چارپائی پر کیوں ہو؟ میں نے دیکھا تو جمعدار میری چارپائی پر سو رہا تھا۔ میں نے طارق سے کہا اسے

اٹھاؤ تو اس نے بتایا کہ وہ کوشش کر چکا ہے اور شراب میں دھت اس بندے سے گالیاں کھا چکا ہے۔ میں نے کہا آؤ اس کی چارپائی الٹاتے ہیں۔ ایسا کرنے پر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور گالیاں دیتا دفعہ ہو گیا۔ اس پر طارق نے کہا کہ جمعدار سے بھی گالیاں کھالیں، اس سے زیادہ ذلت کیا ہو گی، تو اب میرے دن بدلیں گے۔ اس کا کہا سچ ثابت ہوا، چند دن بعد پی ٹی وی کا آغاز ہوا تو طارق کو اناؤنسر کی نوکری ملی، اور اس کی تنخواہ ڈیڑھ سو سے چھ سو روپے ہو گئی۔'

اس نشست کے دوران میں نے ان کی کتاب 'مشرقی پاکستان کی علیحدگی اور ذرائع ابلاغ کا کردار' دستخط کرنے کے لیے آگے کی تو مجھے محسوس ہوا جیسے انھیں اس سے خوشی ہوئی۔ یہ کتاب 1977 میں شائع ہوئی تھی اور اب کمیاب تھی۔ کہنے لگے کہ یہ آپ کو کہاں سے ملی؟ میں نے کہا 'انارکلی میں پرانی کتابوں کے بازار سے۔'

اس وقت میرے علم میں نہیں تھا کہ جس موضوع پر مذکورہ کتاب ہے اسی پر نامور شاعرہ پروین شاکر ڈاکٹریٹ کر رہی تھیں لیکن افسوس ان کی حادثاتی موت کی وجہ سے یہ کام پورا نہیں ہو سکا۔

ڈاکٹریٹ کی بات ہو رہی ہے تو لگے ہاتھوں یہ بتا دیں کہ ڈاکٹر مہدی حسن نے پنجاب یونیورسٹی سے جرنلزم میں ایم اے کرنے کے بعد اسی تعلیمی ادارے سے Role of press in formation in public opinion 1947_1857 کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی۔

عملی صحافت کا لپکا تھا لیکن 1967 میں پروفیسر حمید احمد خان اور ڈاکٹر عبدالسلام خورشید کی تحریک پر تدریس سے متعلق ہو گئے۔ تدریسی ذمہ داریوں نے انہیں اردو اور انگریزی میں صحافت اور سیاست پر لکھنے سے غافل نہیں کیا اور وہ ان موضوعات پر برابر قلم اٹھاتے رہے۔ 1998 میں پروفیسر کی حیثیت سے پنجاب یونیورسٹی سے ریٹائر ہوئے۔ بیچ میں انتقامی کارروائی کی وجہ سے 18 برس لیکچرر رہی رہے۔ اس کا انہیں ملال نہیں تھا کہ ان کے نزدیک طالب علموں کی محبت اور تکریم کے مقابلے میں جاہ و منصب ہیچ ہیں۔

ان کے شاگرد اور سینئر صحافی اسلم ملک نے ہمیں بتایا کہ وہ ایک با اصول آدمی تھے، روشن خیال اور سیکولر۔ تشدد اور انتہا پسندی سے انہیں نفور تھا۔ نظریاتی اعتبار سے بڑے مخلص تھے لیکن ان کے دروازے ہر مکتب فکر کے افراد کے لیے کھلے تھے کیونکہ ان کا مکالمے پر یقین تھا۔ ایک دلچسپ بات اسلم ملک نے یہ بتائی کہ ڈاکٹر مہدی حسن کی محفلوں میں شریک ایک مخبر بھی ان کے اخلاق اور شائستگی سے متاثر ہو کر ان کا گرویدہ ہو گیا۔

جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتحِ زمانہ

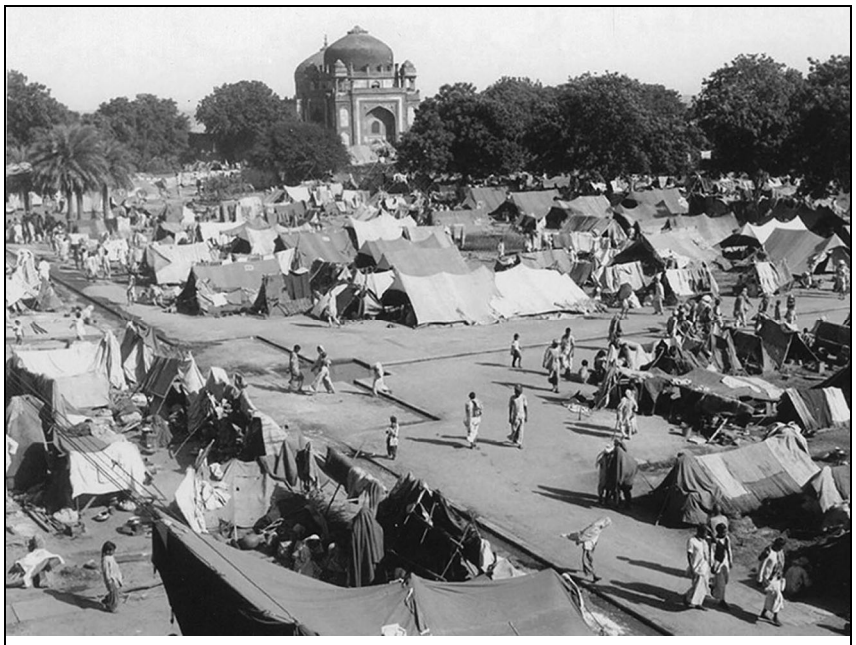

تقسیم ہند کے بعد ڈاکٹر مہدی حسن کا خاندان پاکستان منتقل ہوا

پنجاب یونیورسٹی کے بعد ایک نجی یونیورسٹی میں جرنلزم اور ماس کمیونیکیشن ڈیپارٹمنٹ کے بانی ڈین کی حیثیت سے کئی برس کام کیا۔ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے دو دفعہ چیئر پرسن منتخب ہوئے۔ پی ایف یو جے سے بھی مختلف حیثیتوں سے ان کی وابستگی رہی۔ سال 2012 میں حکومت پاکستان نے صحافت میں ان کی خدمات پر انہیں ستارہ امتیاز سے نوازا۔

ڈاکٹر مہدی حسن کی ذاتی زندگی کا احوال بھی اجمالاً یہاں ضروری محسوس ہوتا ہے۔

1857 کے غدر نے ان کے خاندان کو دلی سے اکھاڑ کر پانی پت سکونت پر مجبور کیا۔ 1947 کی تقسیم نے ان سے مجبوراً پانی پت بھی چھڑوا دیا۔ تقسیم کے بعد ان کا خانوادہ منٹگمری (ساہیوال) منتقل ہوا جہاں سے انھوں نے گورنمنٹ کالج منٹگمری سے گریجویشن کی۔

سابق وزیر خزانہ اور پیپلز پارٹی کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر مبشر حسن ان کے تایا زاد بھائی تھے۔ پیپلز پارٹی کن حالات میں قائم ہوئی اور اس نے کیسے مقبولیت حاصل کی وہ ان کے سامنے کی بات ہے۔

ڈاکٹر مہدی حسن کی بامعنی اور باوقار زندگی ختم ہو گئی لیکن ان کے اس معاشرے کو بہتر بنانے کے خواب بکھر کر رہ گئے۔ وہ روادار، روشن خیال اور ترقی یافتہ معاشرے کے خواہاں تھے لیکن ان اعتبارات سے ہم نے معکوس سفر کیا۔

ڈاکٹر مہدی حسن کو یاد کرنے کا بہترین قرینہ یہ ہے کہ ہم ایک egalitarian (مساوات پر مبنی) معاشرے کے قیام کے لیے فیصلہ کن جدوجہد کر سکیں۔ چند ماہ پہلے سوشل میڈیا پر معروف شاعر اور ہیومن رائٹس کمیشن کے جنرل سیکرٹری حارث خلیق کی ڈاکٹر مہدی حسن کے ساتھ تصویر دیکھ کر دل بجھ کر رہ گیا تھا۔ بیماری نے انہیں چر لیا تھا۔ ان کی سلامتی کی دعا کی لیکن ساتھ میں یہ دھڑکا بھی لگ گیا کہ شاید اب ساز ہستی خاموش ہونے کو ہے اور آج وہ خبر آ گئی جس نے ہم سب کو اداس کر دیا ہے۔

وہ احمد مشتاق کے اس شعر کی جیتی جاگتی مثال تھے اور رہیں گے:

تزئینِ کائنات کا باعث وہی بنے
دنیا سے اختلاف کی جرات جنہوں نے کی

(بشکریہ اردو نیوز)

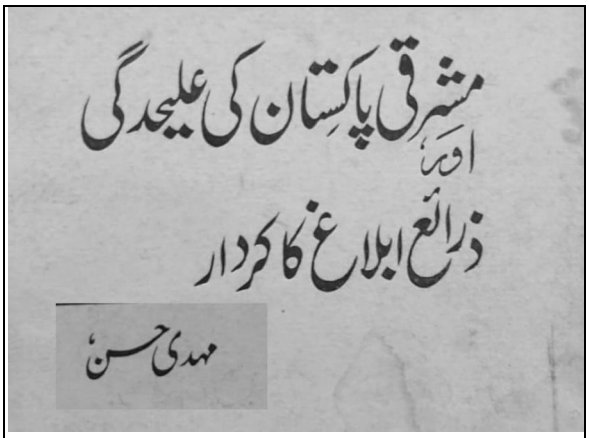

میں نے ان کی کتاب دستخط کرنے کے لیے آگے کی تو مجھے محسوس ہوا جیسے انھیں اس سے خوشی ہوئی

ڈاکٹر مہدی حسن: ایک عالم کی موت

ہارون الرشید عباسی

ڈاکٹر مہدی حسن بھی دار فانی سے رخصت ہوئے۔ کیسی اندوہناک خبر تھی۔ تمام صحافتی، علمی، ادبی اور سیاسی حلقوں میں اس خبر پر رنج والم کی لہر دوڑ گئی۔ مہدی صاحب کے ہزاروں شاگرد اس سایہ دار چھاؤں سے محروم ہو گئے جس کی ہزاروں شاگرد اس سایہ دار چھاؤں سے محروم ہو گئے۔ جس کی شفقتوں کے سائے میں بیٹھ کر انہیں زندگی گزارنے کا سلیقہ سمجھ میں آتا تھا۔

ڈاکٹر مہدی حسن بلاشبہ ایک نابغہ ئروزگار شخصیت تھے۔ اپنی خاندانی روایات، شرافت اور نجابت کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ برصغیر پاک و ہند میں مولانا حالی کے خانوادے کی علمی، ادبی اور سیاسی خدمات ہماری تاریخ کا روشن باب ہیں۔ ڈاکٹر مہدی حسن نے نہ صرف ان روایات کا پاس کیا بلکہ اپنی روشن خیالی اور ترقی پسند خیالات سے بے شمار لوگوں کو فیض یاب کیا۔

ڈاکٹر مہدی حسن کو زبان و بیان پر مکمل عبور حاصل تھا۔ کلاس روم ہو یا ٹی وی کا پروگرام وہ ہر جگہ اپنے خوبصورت لب و لہجے، زبان کی شیرینی اور حلاوت کے علاوہ علمیت اور تدبر سے اپنا نکتہ نظر بھرپور انداز سے پیش کرتے۔ حق گوئی اور بے باکی ان کی طبیعت کا خاصہ تھی۔

ڈاکٹر مہدی حسن صاحب کی صحافتی زندگی پچاس برسوں پر محیط ہے۔ اردو اور انگریزی اخبارات میں انہوں نے لاتعداد مضامین لکھے، جنہیں بے حد پذیرائی ملی۔ صحافت کے مختلف موضوعات پر تحقیقی کتب اور مقالے تحریر کیے جو صحافت کے طالب علموں کے لئے رہنمائی کا بہترین ذریعہ ہیں۔

ٹی وی چینلز پر جہاں کج فہمی، کم علمی اور جہالت کے عالمی ریکارڈ قائم کیے جاتے ہیں۔ وہاں ڈاکٹر مہدی حسن نے اپنی اعلیٰ وارفع گفتگو سے ایک بہترین معیار کی داغ بیل ڈالی۔ انہیں اردو زبان، لب و لہجے اور تلفظ پر مکمل عبور تھا اور پھر یہ کہ وہ گفتگو دلیل کے ساتھ کرتے اور سننے والوں کو بے حد متاثر کرتے۔ انہیں ہمیشہ افسوس ہوتا تھا کہ لوگ انگریزی زبان کے بارے میں تو اس قدر محتاط ہوتے ہیں کہ کوئی لفظ غلط نہ بول پائیں لیکن اردو زبان کے تلفظ کو اس قدر غلط بنا دیا گیا ہے جو انتہائی خطرناک رجحان ہے۔

ہمیں یاد ہے کہ ایک دفعہ لاہور میں ایک کنونشن ہو رہا تھا۔ جس کی صدارت شہید بے نظیر بھٹو کر رہی تھیں۔ اس تقریب میں ڈاکٹر مہدی حسن نے گفتگو کی۔ اس دوران پیپلز پارٹی کے ایک ممتاز راہنما نے مداخلت کی اور کہا کہ مہدی صاحب مختصر بات کریں۔ مہدی صاحب نے بے نظیر سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ اپنے خوشامدیوں میں گھری رہتی ہیں جبکہ ہمیں کبھی کبھی براہ راست گفتگو کا موقع ملتا ہے۔ اگر آپ

تنقید برداشت نہیں کر سکتیں تو میں ڈائس سے چلا جاتا ہوں۔ اس موقع پر بے نظیر بھٹو کھڑی ہو گئیں اور انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب آپ بات جاری رکھیں اور جتنا وقت چاہیں، لیں۔ اس پر ہال میں بھرپور تالیاں بجیں اور ڈاکٹر صاحب نے حکومت وقت کی پالیسیوں پر کڑی تنقید کی اور تجاویز پیش کیں جسے اس دور کی وزیراعظم نے بے حد سراہا۔

پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ صحافت میں دوران ملازمت مہدی حسن مرحوم پر بے شمار کڑے وقت آئے۔ بار بار ملازمت سے سبکدوش کیے گئے، جگہ جگہ حق تلفی کی گئی۔ ایک فاشسٹ مذہبی جماعت کی ذیلی تنظیم کے ذریعے ڈاکٹر صاحب کی کردار کشی کی گئی۔ ان پر سرعام آوازے کسے گئے۔ ان کے کمرے کے باہر دھمکی آمیز پوسٹر لگائے گئے، اہانت آمیز نعرے بازی کی گئی اور ان پر اسلام دشمنی، وطن دشمنی اور غداری کے لیبل لگائے گئے۔ لیکن مہدی حسن صاحب نے ان تمام نامساعد حالات کا مقابلہ خندہ پیشانی سے کیا۔

وسیع القلبی کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے تمام شاگردوں، خواہ ان کا تعلق کسی بھی تنظیم سے ہو، برابری کا سلوک کرتے تھے۔ تعلیمی معاملات میں ہر ایک سے ہر ممکن تعاون کرتے اور پوری غیر جانبداری سے تمام طلبا و طالبات کے جائز حقوق کی پاسداری کے لئے اپنا بھرپور کردار ادا کرتے۔ پنجاب یونیوسٹی کے شعبہ صحافت میں ڈاکٹر مہدی حسن صاحب کا کمرہ ایک قسم کا چھوٹا سا ہائیڈ پارک تھا۔ جہاں ہر کسی کو اپنا نکتہ نظر بیان کرنے کی مکمل آزادی تھی۔ خصوصاً طالبات کا ایک ہجوم ان کے کمرے میں براجمان رہتا تھا۔ مہدی صاحب بہت محبت سے سارا دن سب کو چائے اور کافی پلاتے اور ان کے دکھ درد سنتے، تسلی تشفی دیتے اور حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے حوصلہ دیتے۔

مہدی حسن صاحب خواتین کے حقوق کے بہت بڑے علمبردار تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ہماری خواتین ملکی ترقی میں اپنا کردار ادا کریں۔ ان کی حوصلہ افزائی کا ہی نتیجہ تھا کہ شعبہ صحافت سے فارغ التحصیل ہونے والی طالبات نے زندگی کے مختلف شعبوں میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ اس بات کا سب کریڈٹ انہیں ہی جاتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب میں کمال کی حس مزاح تھی۔ نہایت نامساعد حالات میں بھی وہ ہنستے بولتے کا موقع پیدا کر دیتے تھے۔ یوسف رضا گیلانی نیرنگی سیاست دوراں کی وجہ سے ملک کے وزیراعظم بنے۔ ان کا شمار ڈاکٹر صاحب کے نالائق شاگردوں میں ہوتا تھا۔ مہدی صاحب نے بتایا کہ جب وہ موصوف وزیراعظم بنے تو ایک دفعہ کسی تقریب میں دونوں کا آمنا سامنا ہوا۔ تو یوسف رضا گیلانی نے اپنے وزیروں سے ان کا تعارف یوں کروایا کہ یہ ڈاکٹر مہدی حسن ہیں۔ ہمارے استاد۔ باقی تو سارے مر گئے یہ رہ گئے ہیں۔ یہ واقعہ سنا کر مہدی حسن خوب ہنسے کہ بھلا تعارف ایسے بھی کروایا جاتا ہے۔

ڈاکٹر مہدی حسن صاحب کی شخصیت بہت دل آویز تھی۔ لباس اور وضع قطع کا خصوصی خیال رکھتے تھے۔ جس سے ان کی شخصیت میں اور نکھار پیدا ہوتا۔ وہ ایک شفیق اور خلیق انسان بھی تھے۔ ہمیں یاد ہے کہ جب ہماری تقرری ریڈیو پاکستان میں ہوئی تو ریڈیو والوں نے ہم سے کہا کہ ہم یونیورسٹی سے کریکٹر سرٹیفکیٹ لے آئیں۔ اتفاق سے ان دنوں جو صاحب شعبہ صحافت کے چیئرمین تھے، وہ بھی ایک اسلامی تنظیم کے خیر خواہ تھے۔ انہوں نے ہمیں سرٹیفکیٹ دینے سے انکار کر دیا۔ اور مختلف حیلے بہانے کیے۔ ہم ڈاکٹر مہدی حسن صاحب کے پاس گئے اور صورت حال سے آگاہ کیا۔ مہدی حسن صاحب نے خوب ڈانٹا کہ تمہیں میرے پاس آنا چاہیے تھا۔ پہلے کافی پلائی اور خود اٹھ کر گئے اور میرا سرٹیفکیٹ بنوا کر لے آئے۔ واقعات تو ہزاروں ہیں۔ بس ایک آخری بات۔ گزشتہ برسوں میں ڈاکٹر صاحب بہت بیمار ہوئے۔ ہسپتال میں داخل رہے۔ جب طبیعت سنبھلی تو گھر منتقل ہو گئے۔ لیکن کمزوری اور نقاہت قائم رہی۔ ہماری ایک عزیزہ کو اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے کے لئے رہنمائی کی ضرورت تھی، ہم نے ڈاکٹر صاحب کو فون کیا۔ ناسازی طبع کے باوجود ڈاکٹر صاحب نے ٹیلی فون پر طویل گفتگو کے ذریعے اس بی بی کی رہنمائی کی جس کی وجہ سے اسے اپنے مقالے میں بے حد مدد ملی۔ ڈاکٹر صاحب کی محبت اور ایثار کا احاطہ چند الفاظ میں ممکن نہیں۔ وہ استاد بھی تھے اور دوست بھی۔ ان میں پدرانہ شفقت بھی تھی اور بے تکلفی اور اپنائیت کا ایسا جذبہ بھی تھا جس کی مثال نہیں ملتی۔

عاصمہ جہانگیر کی جدوجہد کا مختصر ذکر

سعید احمد

عاصمہ کے بارے میں دنیا نے پہلی بار اس وقت سنا جب انہوں نے جنرل یحییٰ خان کے مارشل لاء کے دوران اپنے والد ملک غلام جیلانی کی نظر بندی کے خلاف مقدمہ دائر کیا۔

ان کی درخواست پر سپریم کورٹ نے مارشل لاء کو غیر آئینی اور یحییٰ خان کو غاصب قرار دیا۔

اس کے بعد عاصمہ نے قانون کی تعلیم حاصل کرنے کا فیصلہ کیا اور اپنی زندگی پسماندہ برادریوں خصوصاً خواتین، بچوں اور اقلیتوں کے حقوق کے لیے لڑنے کے لیے وقف کر دی۔

عاصمہ جہانگیر نے ان لوگوں کو مفت قانونی امداد فراہم کرنے کے لیے ایک قانونی فرم AGHS کی بنیاد رکھی جنہیں اس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

عاصمہ نے بہت سی قانونی لڑائیاں لڑیں جس سے قوانین میں اصلاحات لانے میں مدد ملی اور آج تک ہزاروں لوگ ان سے مستفید ہو رہے ہیں۔

1990 میں، عاصمہ نے جبری مزدوری سے متعلق ایک مقدمے میں درشن مسیح کی کامیابی سے نمائندگی کی۔ عدالت نے فیصلہ دیا کہ جبری مزدور غیر رسمی ذرائع سے بھی عدالت سے رجوع کر سکتا ہے، یہاں تک کہ ٹیلی گرام کے ذریعے بھی۔

یہ بھی قرار دیا گیا کہ اینٹوں کے بھٹے پر کام کا نظام جبری مشقت کے زمرے میں آتا ہے۔ اس مقدمے نے بانڈڈ لیبر ابولیشن ایکٹ 1992 کی راہ ہموار کی۔

1995 میں ایک سیشن عدالت نے توہین رسالت کے دو ملزمان 12 سالہ سلامت مسیح اور رحمت مسیح کو سزائے موت سنائی۔

وکلاء ہائی کورٹ میں ملزمان کی نمائندگی کرنے سے خوفزدہ تھے۔ عاصمہ نے پھر سامنے آ کر لاہور ہائی کورٹ میں سزاؤں کے خلاف اپیل دائر کی۔

مقدمے کی پیروی کرنے پر عاصمہ پر حملہ کیا گیا لیکن وہ بے خوف رہیں اور دونوں ملزمان کی رہائی کی یقینی بنایا۔

1996 میں، صائمہ وحید جو 22 سال کی تھیں اور ماسٹر ڈگری ہولڈر تھیں، نے اپنی مرضی سے ایک شخص سے شادی کی۔ صائمہ کے قدامت پسند خاندان نے اس شادی کو مسترد کر دیا اور اسے اپنی جان بچانے کے لیے اپنے گھر سے بھاگنا پڑا۔ اس کے والد نے حبس بیجا کی درخواست دائر کی اور اپنی بیٹی کی واپسی کا مطالبہ کیا۔

صائمہ کے والد نے مؤقف اختیار کیا کہ ولی کی رضامندی کے بغیر شادی اسلام میں درست نہیں اور اس لیے اسے کالعدم قرار دیا جائے۔

اس مقدمے میں عاصمہ جہانگیر نے صائمہ کی نمائندگی کی اور سخت قانونی جنگ کے بعد لاہور ہائیکورٹ نے صائمہ کے حق میں فیصلہ دیا اور ان کی شادی کو قانونی قرار دیا۔

بعد ازاں عدالت عظمیٰ نے فیصلہ دیا کہ 18 سال سے زیادہ عمر کی کوئی بھی لڑکی اپنی مرضی سے شادی کر سکتی ہے، ولی کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ تاریخی مقدمہ آنے والے سالوں میں خواتین کے حقوق کے تحفظ کے حوالے سے یادگار ثابت ہوا۔

(وائس پی کے۔نیٹ)

پاک۔افغان سرحد کھولنے کا پرزور مطالبہ

چمن قیام پاکستان کے بعد سے پاکستان اور افغانستان کے درمیان دونوں ممالک کے درمیان سرحد پر اکثر و بیشتر معمولی جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں۔ کیونکہ افغان حکومت پاکستان اور افغانستان کے درمیان سرحد کو متنازعہ سرحد تسلیم کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں ماضی میں پشتونستان کے نام پر تحریکیں چلتی رہی ہیں۔ سرد جنگ کے آخری مرحلہ پر روسی افواج کی افغانستان میں موجودگی کے دور میں ان سرحدی علاقوں میں افغان اور پاکستانی سکیورٹی فورسز کے درمیان مستقل تنازعہ رہا۔ تاہم طالبان نے 1996 میں افغانستان کا کنٹرول سنبھال لیا تو ابتدا میں خاموشی رہی، مگر اس کے بعد یہ تنازعہ اس وقت زندہ ہوا جب پاکستان نے طالبان سے ڈیورنڈ لائن کو مستقل سرحد تسلیم کرنے کا مطالبہ کیا۔ جس پر دونوں ومما لک کے درمیان انتہائی قریبی دوستانہ اور برادرانہ تعلقات خراب ہوئے اور قمرالدین کے مقام پر جھڑپوں میں جانی نقصان بھی ہے۔ دوسری جانب سے دیکھا جائے تو اس طرح کے واقعات سے صرف اور صرف نقصان پشتونوں کو پہنچتا ہے، کیونکہ سرحد کے دونوں طرف یہی لوگ آباد ہیں۔ اس وقت سرحد پر دونوں جانب عام شہری جن میں مریض بھی شامل ہیں۔ پریشان حال ہیں۔ جبکہ سرحد پر ڈیلی ویجز پر کام کرنے والے بھی بڑی تعداد میں بیروزگار ہو چکے ہیں۔ ان ڈیلی ویجیز پر کام کرنے والوں کا چولہ روزانہ کی بنیاد پر باب دوستی پر جلتا ہے۔ لہذا دونوں جانب کی قیادت کو چاہیے کہ وہ اس مسئلہ کا مستقل حل تلاش کریں کیونکہ روز روز کے جھڑپوں سے یہ معاملہ روز بروز خراب تر ہوتا جا رہا ہے۔ اہلیان چمن نے پاکستان اور افغانستان کے حکومتوں سے پرزور اپیل کی کہ پاک افغان بارڈر چمن کو جلد از جلد کھولا جائے۔ مقامی شہری سخت مشکلات کے سامنے ہیں۔ عوام کے زریعہ روزگار کو بند نہ کیا جائے۔

(محمد صدیق)

مذہب کی بے حرمتی کے الزام پر مشتعل ہجوم کے ہاتھوں قتل

ضلع خانیوال میں رانا مشتاق راجپوت عرف نا کی ایک مشتعل ہجوم کے ہاتھوں قتل کی خبر 12 فروری 2022 کو سوشل میڈیا پر نشر ہوئی۔ خبر کے مطابق، ڈیرہ گاؤں میں شام کی نماز کے بعد سینکڑوں لوگ جمع ہوئے، اس اعلان کے بعد کہ ایک شخص نے قرآن پاک کی بے حرمتی کی ہے۔ ہجوم نے مبینہ ملزم مشتاق راجپوت ولد بشیر احمد سکنہ چک 12، خانیوال کو پکڑ کر مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ ہجوم نے اسے درخت سے باندھنے کے بعد سنگسار کرنے سے پہلے مارا پیٹا۔ متوفی مشتاق ادھیڑ عمر، ذہنی طور پر معذور شخص تھا۔ وزیر اعلیٰ پنجاب نے واقعے کا نوٹس لیا۔ اور پولیس کی مدعیت میں مقدمہ درج ہوا۔ پولیس افسر منور حسین انسپکٹر واقعے کے شکایت کنندہ تھے اور متعلقہ پولیس نے ایف آئی آر نمبر 89/22، تعزیرات پاکستان کی دفعہ 302، 353,186,148,149 اور 1997-7 انسداد دہشت گردی ایکٹ کے تحت تلمبہ پولیس اسٹیشن میں مقدمہ درج کیا۔ 33 نامزد اور 200 سے 300 غیر نامزد افراد کے خلاف مقدمہ درج ہوا۔ پولیس نے 85 سے زائد لوگوں کو گرفتار کیا جو اس اندوہناک واقعے میں ملوث تھے۔

14 فروری 2022 کو سوشل میڈیا سے یہ خبر سننے کے بعد، سینٹر فار لیگل ایڈ اسسٹنس اینڈ سیٹلمنٹ (CLAAS) اور پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کی ایک مشترکہ فیکٹ فائنڈنگ ٹیم نے اصل حقائق اکٹھا کرنے کے لیے جائے حادثہ کا دورہ کیا۔ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مقامی ارکان نے ٹیم کی مدد کی۔ ٹیم کے ارکان نے جائے حادثہ کا دورہ کیا اور متوفی کے اہل خانہ سے اظہار یکجہتی اور تعزیت بھی کی۔ ٹیم نے اعلیٰ پولیس حکام اور انتظامی حکام سے بھی ملاقات کی۔

سرکاری حکام سے ملاقات اور ان کا بیان

اسسٹنٹ کمشنر سے ملاقات کے دوران ٹیم نے تحصیل میاں چنوں، ضلع خانیوال کے ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے مقتول کو انصاف کی فراہمی کے لیے ان کی کوششوں اور خیالات کے بارے میں استفسار کیا۔ جواب میں انہوں نے کہا کہ پوسٹ مارٹم کی کارروائی کے وقت وہ لاش کے ساتھ تھے۔ انہوں نے ہجوم کے گھناؤنے فعل اور قانون کی خلاف ورزی کی مذمت کی۔ ٹیم نے واقعے کے وقت پولیس کے کردار کے بارے میں پوچھا تو ان کا جواب تھا کہ پولیس ان کے سامنے جوابدہ نہیں ہے۔ پولیس ایک آزاد ادارہ ہے اور اپنے کام کی ذمہ دار ہے۔ ان کے جواب سے ایسا لگتا تھا کہ وہ انتظامی ہونے کے ناطے اپنی ذمہ داریاں لینے سے گریز کر رہے ہیں۔

یہی رویہ پولیس کا تھا جہاں سے ہمیں یہ تاثر ملا کہ انتظامیہ اور سیکیورٹی اداروں میں سے کوئی بھی اس واقعے کی ذمہ داری لینے کو تیار نہیں ج ان کی غفلت کے باعث پیش آیا تھا۔ مزید پولیس کے اعلیٰ حکام نے ٹیم کو بتایا کہ واقعے کے وقت کوئی پولیس اہلکار موجود نہیں تھا۔ پولیس کو 15 ایمرجنسی پولیس ہیلپ لائن کے ذریعے اطلاع دی گئی اور پولیس کے پہنچنے سے پہلے اسلم ولد رمضان (رمضان اس مسجد کا امام ہے جس میں یہ واقعہ پیش آیا) نے اعلان کیا کہ اس نے مسجد کے اندر دھواں اُڑتا ہوا دیکھا اور اسے یہ معلوم ہوا کہ قرآن پاک کو جلا دیا گیا ہے۔ اس اعلان کے بعد آس پاس کے لوگ مسجد کے گرد جمع ہو گئے جہاں مقتول کو امام مسجد کے بیٹے نے پہلے ہی حراست میں لے رکھا تھا۔

15 پر کال وصول ہونے کے بعد 7-8 منٹ میں پولیس جائے واردات پر پہنچ گئی۔ مشتعل ہجوم نے اسے بے دردی سے پیٹا پولیس نے ہجوم کو منتشر کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی۔ پولیس نے جلائے گئے قرآن پاک کو اکٹھا کیا اور اس کے تجزیے کے لیے پی ایف ایس ایل پنجاب فرانزک سائنس لیبارٹری لاہور بھیج دیا۔ رپورٹ زیر التواء ہے اور پولیس معاملے کی تحقیقات کر رہی ہے اور اس واقعے میں ملوث ملزمان کو بھی گرفتار کر رہی ہے۔ پولیس نے ملزمان کی شناخت کے لیے ویڈیو فوٹیج حاصل کر لی ہے۔ چند مرکزی ملزمان کا تعلق ایک مضبوط مذہبی تنظیم سے ہے۔ ٹیم نے ہجوم کے خلاف ایف آئی آر کے بارے میں پوچھا اور ٹیم یہ جان کر حیران رہ گئی کہ پولیس نے ہجوم کے خلاف ایف آئی آر درج کرنے سے پہلے متوفی مشتاق کے خلاف تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295 (ب) کے تحت ایف آئی آر درج کر لی تھی۔ دونوں ایف آئی آر تھانہ تلمبہ ضلع خانیوال میں درج کی گئیں۔ توہین مذہب کے الزام کے تحت درخواست کونسلر حاجی محمد رمضان خان ڈانگرہ کی شکایت پر درج کی گئی جو کہ ایک زمیندار ہیں اور یہ واقعہ ان کے ڈیرہ اور مسجد میں پیش آیا۔ ایسا لگتا ہے کہ پولیس نے اپنی لاپرواہی پر پردہ ڈالنے اور ہجوم کے عمل کو تھوڑا سا جواز پیش کرنے کے لیے متوفی کے خلاف دفعہ دفعہ 295 (ب) کے تحت ایف آئی آر درج کرائی ہے۔ پولیس نے مزید بتایا کہ ہجوم میں مقامی دیہات کے 1200 سے 1300 افراد شامل تھے اور اس ہجوم کا کنٹرول ایک مذہبی تنظیم کے پاس تھا۔

اہلِ علاقہ کا مؤقف

ٹیم نے اس واقعہ کے بارے میں معلومات رکھنے والے مقامی افراد سے بھی معلومات اکٹھی کیں۔ بعض عینی شاہدین کے مطابق ہجوم میں اکثریت نوعمر اور ناخواندہ لوگوں کی تھی جنہیں مذہبی تعلیم سے متعلق کوئی علم نہیں تھا۔ عینی شاہد نے یہ بھی بتایا کہ مقامی سیاسی اور مذہبی تنظیموں کی طرف سے ہجوم کو

ایک مقامی رہائشی کے مطابق انہیں اطلاع ملی کہ کوئی شخص قرآن پاک کے اوراق جلا رہا ہے اور ایک مسجد میں اعلان ہوا اور لوگ وہاں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ اس شخص کو مسجد میں بند کر دیا گیا تھا۔ ہجوم کو اکسایا گیا تھا اور مقتول کو مارنا شروع کر دیا گیا۔ انہوں نے بتایا کہ جائے وقوعہ پر پولیس موجود تھی لیکن پولیس کی طرف سے ہجوم کو نہیں سنبھالا گیا اور نتیجتاً مشتعل ہجوم نے ملزم کو بے دردی سے مار ڈالا۔ ہجوم نے اس پر توہین مذہب کا الزام لگایا اور اسے تشدد کا نشانہ بنایا۔ مشتعل ہجوم نے اسے تشدد کر کے قتل کرنے کے بعد اس کی لاش کو درخت پر لٹکا دیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ قرآن پاک کو جلایا گیا تھا۔ صرف لوگوں نے دھواں اور کچھ بچا ہوا راکھ دیکھا۔

اشتعال دلایا گیا تھا۔

ایک مقامی رہائشی کے مطابق انہیں اطلاع ملی کہ کوئی شخص قرآن پاک کے اوراق جلا رہا ہے اور ایک مسجد میں اعلان ہوا اور لوگ وہاں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ اس شخص کو مسجد میں بند کر دیا گیا تھا۔ ہجوم کو اکسایا گیا تھا اور مقتول کو مارنا شروع کر دیا گیا۔ انہوں نے بتایا کہ جائے وقوعہ پر پولیس موجود تھی لیکن پولیس کی طرف سے ہجوم کو نہیں سنبھالا گیا اور نتیجتاً مشتعل ہجوم نے ملزم کو بے دردی سے مار ڈالا۔ ہجوم نے اس پر توہین مذہب کا الزام لگایا اور اسے تشدد کا نشانہ بنایا۔ مشتعل ہجوم نے اسے تشدد کر کے قتل کرنے کے بعد اس کی لاش کو درخت پر لٹکا دیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ قرآن پاک کو جلایا گیا تھا۔ صرف لوگوں نے دھواں اور کچھ بچا ہوا راکھ دیکھا۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ محمد رمضان کا سیاسی پس منظر ہے اور واقعے کے وقت وہ تھانے میں تھا۔ اس کے بیٹے اسلم نے اسے فون کیا اور اس کے ڈیرہ پر پیش آنے والے واقعے کے بارے میں بتایا۔ انہوں نے مزید بتایا کہ انہیں معلوم ہوا کہ مشتاق ذہنی طور پر معذور شخص ہے اور اس کی بیوی نے اسے طلاق دے دی ہے۔ وہ اپنی بہن کے ساتھ رہ رہا تھا جو تلمبا 17 چک میں رہ رہی تھی۔

مقتول کے اہل خانہ کا بیان

اہل خانہ کے مطابق مشتاق کی عمر 40 سال تھی اور اس کے تین چھوٹے بچے ہیں۔ اس کی بیوی نے تین سال قبل اس سے طلاق لے لی تھی۔ وہ دماغی صحت کے مسائل میں مبتلا تھا اور گزشتہ 16 سالوں سے ذہنی طور پر معذور تھا۔ ان کا علاج جاری تھا اور وہ باقاعدگی سے دوائی لے رہے تھا۔ وہ گزشتہ دو سال سے کراچی میں تھا اور جنوری 2022 میں واپس پنجاب آیا تھا۔ خانیوال میں 12 چک میں اپنے گھر میں اپنے بھائیوں کے ساتھ مقیم تھا۔ اس نے گھر سے نکلنے سے پہلے انہیں اطلاع نہیں دی تھی اور موبائل استعمال کرنے کے قابل بھی نہیں تھا۔ وہ اپنی بہن شہناز سے ملنے تلمبہ گیا تھا اور وقوعہ سے پہلے 7 سے 8 دن سے اس کے پاس رہ رہا تھا۔ مشتاق ہر جمعہ کو مسجد میں نماز پڑھتا تھا اور محلے میں کسی کے لیے پریشانی کا سبب نہیں تھا۔ اس کے آس پاس کے لوگوں کو اس کے خلاف کوئی شکایت نہیں تھی۔

لاش کی شناخت کے بارے میں پوچھنے پر اہل خانہ نے بتایا کہ بائیومیٹرک کے ذریعے پولیس ان تک پہنچی اور مشتاق کے قتل کی اطلاع دی۔ پوسٹ مارٹم کے بعد اس کے اہل خانہ نے اس کی لاش وصول کی تو پتہ چلا کہ اس کے دونوں ہاتھ انگلیوں سے کٹے ہوئے تھے۔ پوچھنے پر متوفی کے اہل خانہ نے بتایا کہ وہ اس کے قتل کے مقدمے کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔ اہل خانہ کو معلوم نہیں تھا کہ مقتول کے خلاف توہین مذہب کا

مقدمہ درج کیا گیا ہے۔ خاندان نے مزید بتایا کہ مقامی کمیونٹی کے ارکان، مذہبی رہنما، اعلیٰ حکام اور انتظامی حکام ان کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کر رہے ہیں۔

لواحقین نے مقتولین کے نابالغ بچوں کی امداد کی اپیل کی ہے۔ فیکٹ فائنڈنگ ٹیم میں ایچ آر سی پی کے پنجاب چیپٹر کے وائس چیئر راجہ اشرف، میاں چنوں میں ایچ آر سی پی کے کارکن ایڈووکیٹ رضا جعفری، CLASS سے محترمہ روبینہ غزل، محترم آصف، اور محترم عارف شامل تھے۔

رپورٹ "کلاس (CLAAS) شعبہ قانون

لڑکی کو بازیاب کرالیا گیا

سوات فتح پور میں اپنی مرضی سے نکاح پر محبوس لڑکی کو بازیاب کرالیا گیا۔ گزشتہ روز سوات پولیس سٹیشن فتح پور پولیس کو اطلاع ملی کہ سپینے میاندم میں گھر کے اندر ایک لڑکی کو زنجیروں سے باندھی گئی ہے، اطلاع پر ایس ایچ او تھانہ فتح پور روشن علی، لیڈی پولیس کانسٹیبل و دیگر پولیس نفری کے ہمراہ سپینے میاندم پہنچ کر مذکورہ گھر کے کمرے سے زنجیروں سے باندھی گئی لڑکی کو بحفاظت بازیاب کرائی۔ مسماۃ (ث) نے بازیاب ہونے کے بعد پولیس کو رپورٹ درج کراتے ہوئے کہا کہ میں نے اپنے والد کی مرضی کے بغیر اپنی رضامندی سے مسمی رحمت علی ولد درے سکنہ ڈھنڈ جوختی کے ساتھ بشرح محمدی نکاح کیا۔ والد علی رحمٰن اور بھائی مجیب الرحمٰن کو علم ہوا تو ستون کے ساتھ زنجیروں سے باندھ کر چھریوں کے ذریعے جان سے مارنے کی دھمکیاں دیں۔ تھانہ فتح پور پولیس نے علی رحمٰن ولد عبدالرحمٰن، مجیب الرحمٰن ولد علی رحمٰن سکنہ سپینے میاندم کو گرفتار کرلیا گیا۔ گرفتار ملزمان کے خلاف فتح پور میں جرم 342-506 کے تحت مقدمہ درج کرلیا گیا۔

(روزنامہ ایکسپریس)

پاکستان میں احمدیوں کی قبروں کی بے حرمتی

4اور 5 فروری کی درمیانی شب تھانہ صدر حافظ آباد پولیس کے اسٹیشن ہاؤس افسر محترم امجد صاحب نے تحریک لبیک پاکستان کے ضلعی رہنماء عطاالحسنین اور مقامی رہنماؤں عمر حیات، محترم زبیر اور اورنگزیب ہنجرا کے ہمراہ جماعت احمدیہ کے قبرستان پر رات کی تاریکی میں دھاوا بولا اور 44 قبروں کی بے حرمتی کی۔ انہوں نے قبروں کے کتبوں کو توڑا اور یوں ان پر لکھے مقدس کلمات کی بیحرمتی کے مرتکب بھی ہوئے۔

واقعہ کا پس منظر

گذشتہ برس 2021 میں تحریک لبیک پاکستان کے ضلعی رہنما عطاالحسنین شاہ اور گاؤں پریم کوٹ میں ٹی ایل پی کے مقامی رہنماؤں عمر حیات جو امام مسجد بھی ہیں، محترم زبیر نے پولیس کو ایک درخواست دائر کی جس میں مطالبہ کیا گیا کہ گاؤں کے احمدی قبرستان میں قبروں سے اور گاؤں کے دیگر جگہوں بشمول بیت الزکر پر لکھے مقدس کلمات کو ہٹائیں۔ مذہبی بنیاد پرست کالعدم جماعت کے رہنماؤں کے دباؤ پر پولیس نے جماعت احمدیہ کی مقامی قیادت کو ڈی ایس پی کے دفتر میں بلوایا اور ان پر مقدس کلمات ہٹانے کے لیے دباؤ ڈالا۔ جماعت احمدیہ کے نمائندے نے یہ کہتے ہوئے ایسا کرنے سے انکار کر دیا کہ 'وہ ایسا کریں گے تو ان کی، ان کی جماعت اور اہل خانہ کا تحفظ داؤ پر لگ سکتا ہے کیونکہ لوگ مذہب کی بیحرمتی کے الزام میں انہیں آگ لگا کر جلا سکتے ہیں۔" بہرحال مذکور مذہبی رہنما اور پولیس مسلسل ان سے یہ مطالبہ کرتی رہی۔

بعدازاں، ٹی ایل پی کے ضلعی قائد عطاالحسنین کی سپرستی میں گاؤں پریم کوٹ میں ٹی ایل پی کے مقامی رہنما اور امام مسجد عمر حیات ہنجرا نے ایڈیشنل سیشن جج کی عدالت میں ایک پٹیشن دائر کی جس میں مقامی احمدیوں کے خلاف مقدمے کے اندراج کا مطالبہ کیا گیا اور قبروں اور دیگر مقامات سے مقدس کلمات مٹانے کے لیے پولیس کو ہدایات جاری کرنے کی بھی استدعا کی گئی۔ عدالت نے درخواست کو ناقابل قبول تصور کرتے ہوئے مسترد کر دیا۔

بعدازاں ٹی ایل پی کے قائد عطاالحسنین نے متعلقہ ڈی ایس پی، سیکیورٹی انچارج اور ایس ایچ او کا تبادلہ کروایا اور نئے ڈی ایس پی، سیکیورٹی انچارج اور ایس ایچ او نے چارج سنبھالنے پر مقامی احمدیوں کو مقدس کلمات ہٹانے بصورت دیگر مشتعل ہجوم کے تشدد اور مذہب کی حرمت کے قوانین کے تحت مقدمات کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنے کی دھمکیاں دیں۔ پولیس افسران کو سیشن جج کا فیصلہ دکھایا گیا تو انہوں نے فیصلے کے کاغذ کو واپس پھینکتے ہوئے جواب دیا، "جاؤ سیشن جج کو کہو کہ وہ تمہیں تحفظ دے۔ اگر لوگوں نے مشتعل جلوس نکالا تو پھر ہم آپ کو تحفظ نہیں دے سکیں گے۔ پھر سیشن جج سے تحفظ مانگنا۔

پولیس نے قبروں، اور دیگر مقامات سے مقدس کلمات نہ ہٹانے کی صورت میں جماعت احمدیہ کے مقامی رہنماؤں کے خلاف توہین مذہب کے تحت مقدمات دفعہ 295 سی کے تحت مقدمہ درج کرنے کی دھمکی بھی دی۔

اور پھر بالآخر 4اور 5 تاریخ کی درمیانی شب آدھی رات کے وقت ایس ایچ او پولیس نے نزدیکی پولیس چوکی کے عملے اور بنیاد پرست کالعدم جماعت کے ضلعی و مقامی رہنماؤں کے ہمراہ جماعت احمدیہ کے قبرستان پر دھاوہ بول کر وہاں کی تمام کی تمام 44 قبروں اور مشتزکہ قبرستان میں واقع ایک احمدی قبر کے کتبے توڑے اور قبروں کی بیحرمتی کی۔

گاؤں میں احمدی و غیر احمدیوں کے درمیان امن، رواداری، ہم آہنگی، بھائی چارے کی مکمل فضا تھی۔ مگر کچھ شر پسند عناصر مذہبی منافرت پھیلانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ اس واقعے سے پہلے کئی بار گاؤں کی مسجد سے عشا کی نماز کے بعد امام مسجد نے نمازیوں خاص طور پر نوجوانوں میں احمدی مخالف جذبات پر مشتمل تقاریر کی اور وہاں موجود لوگوں کو احمدیوں کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کرتے رہے۔

گاؤں کے بااثر اورنگزیب ہنجرا اس سارے عمل کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔

ذیل میں ایسے واقعات کی ایک طویل فہرست کا ذکر ہے جن میں پولیس نے اور دیگر شر پسند عناصر نے احمدیوں کی قبروں کی بیحرمتی کی اور ان کے خلاف کسی قسم کی کارروائی عمل میں نہیں لائی گی۔

پاکستان میں رہنے والی احمدیہ برادری کو قیام پاکستان کے بعد سے ہمیشہ سخت ظلم وستم کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے۔ 1974 میں پاکستان کے آئین میں دوسری ترمیم اور 1984 میں آرڈیننس XX کے نتیجے میں، پاکستان میں احمدیہ کمیونٹی کے ساتھ ان کے عقیدے کی بنیاد پر امتیازی سلوک کی راہ ہموار ہوئی۔ کمیونٹی کی مذہبی آزادی اور انسانی حقوق کی مسلسل خلاف ورزی کی جارہی ہے۔

شرپسندوں کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرنے میں ریاستی اداروں کی ناکامی شرپسندوں اور قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کے درمیان مبینہ ملی بھگت کا تاثر پیدا کرتی ہے۔

گویا جماعت کے پرامن ارکان کے خلاف نفرت انگیز مہم کافی نہیں ہے، جماعت کے مخالفین پولیس اہلکاروں کے ساتھ مل کر اس کے ارکان کی قبروں کی بے حرمتی کررہے ہیں۔ یہ بے حرمتی کوئی نئی بات نہیں لیکن یہ حالیہ اضافہ بہت تشویشناک ہے۔ 1947 کی تقسیم کے بعد سے احمدیوں کی قبروں کی بے حرمتی کی جاتی رہی ہے۔ان واقعات میں اضافہ 1984 میں XX کے آرڈیننس کے نفاذ کے بعد دیکھنے میں آیا۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ ان میں سے زیادہ تر بے حرمتی پاکستان کے صوبہ پنجاب میں ہوئی ہے۔احمدیہ برادری کے خلاف اس طرح کے حملے کی ایک سب سے بڑی وجہ اس حقیقت پر مبنی ہے کہ 1984 میں آرڈیننس XX کے بعد کمیونٹی کے ممبران کو اسلامی رسم الخط استعمال کرنے سے روک دیا گیا تھا۔تاہم، زیادہ تر نوشتہ جات آرڈیننس کے نفاذ سے پہلے لکھے گئے تھے۔ ماضی میں اس قانون کا اثر نہیں ہوتا اس طرح ان لوگوں کی حفاظت ہوتی ہے جو اس کے نفاذ سے پہلے مرچکے ہیں۔لیکن درحقیقت یہ کارروائیاں برادری کے ارکان کو نیچا دکھانے کے لیے کی جاتی ہیں، جبکہ ایسے لوگ اپنی سیاسی طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے حکومتی عہدیداروں پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہیں۔ اس طرح کی کارروائیوں سے بہت زیادہ ناجائز سیاسی فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

احمدیوں کی قبروں کی بے حرمتی کے علاوہ، احمدیوں کو تدفین، اپنے پیاروں کی نماز جنازہ وغیرہ سے متعلق مسائل کا سامنا ہے۔تاہم یہ رپورٹ بنیادی طور قبروں کی بے حرمتی کے واقعات کا احاطہ کرے گی۔

ربوہ، 2010 اور 2015:

2010 میں 12 ربیع الاول کو ربوہ میں ایک مذہبی عالم اللہ یار ارشد نے جلوس نکالا۔جلوس میں 3500-4000 لوگ تھے۔ ان میں سے ایک گروہ نے احمدیہ قبرستان کے گیٹ پر پتھراؤ کیا۔ مزید یہ کہ کچھ مولویوں نے ایک پبلک قبرستان میں احمدیوں کی قبروں پر پیشاب کیا۔

پنجاب پولیس کا ایک افسر چک 96 جی بی، تحصیل جڑانوالہ، ضلع فیصل آباد میں ایک احمدیوں کی قبر کی بے حرمتی کررہا ہے۔(9 مارچ 2014)

12 جنوری 2015:

ربوہ میں احمدیہ برادری کے مخالفین کی طرف سے قبروں پر پتھراؤ کے واقعات اکثر ہوتے رہتے ہیں۔ مولوی اللہ یار ارشد کے مدرسے کے لڑکے اس بے حرمتی میں ملوث ہیں۔ 12 جنوری 2015 کو ان طلباء نے کچھ قبروں کے پتھروں پر پتھر برسا کر انہیں نقصان پہنچایا۔ تباہ شدہ قبروں کے پتھر پولیس کو دکھائے گئے جن سے اس معاملے کی تحقیقات کرنے کو کہا گیا۔

دنیا پور، ضلع لودھراں مورخہ 4 دسمبر 2011

چند شرپسندوں نے احمدیہ قبرستان میں گھس کر قبروں کو نقصان پہنچایا اور سات قبروں پر مقبرے کے شیشے توڑ دیے۔ یہ قبرستان 1976 میں وجود میں آیا۔اس میں احمدیوں کی 29 قبریں ہیں۔اس توہین کی اطلاع پولیس کو بھی دی گئی جس نے قبروں کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے برآمد کرلیے۔

چک 165 ای بی، شہزاد آباد، ضلع پاکپتن مورخہ 10 جولائی 2012

شرپسندوں کے ایک گروہ نے اس گاؤں کے ایک نجی قبرستان میں پانچوں احمدیوں کی قبروں کے پتھروں کی بے حرمتی کی اور ان پر احمدیہ مخالف تحریریں لکھ دیں۔ ان قبروں کے قرب وجوار میں ایک بزرگ سید اشرف علی شاہ کی قبر ہے جو 300 سال قبل وفات پا گئے تھے۔ شرپسندوں نے احمدیوں کی قبروں پر حملہ کرنے سے پہلے ان کی قبر کو آگ لگائی۔ مذکورہ واقعہ کی ایف آئی آر متعلقہ تھانے میں درج کرائی گئی۔

جڑانوالہ، ضلع فیصل آباد مورخہ 4 ستمبر 2012

احمدیہ برادری کے مخالفین نے مقامی پولیس کے سامنے شکایت درج کرائی کہ احمدیوں کے قبرستان سے اسلامی تحریریں ہٹائی جائیں۔

اندھیرا چھانے کے بعد پولیس 4 ستمبر 2012 کو جائے وقوعہ پر آئی۔انہوں نے 23 قبروں کے پتھروں کو گرا دیا اور ان کے ٹکڑے لے گئے۔ جڑانوالہ امن کمیٹی کے چیئرمین جناب ساجد فاروقی اور ختم نبوت کے رہنما خادم ندیم قادری نے اس گستاخانہ اقدام کی بھرپور حمایت کی۔

ماڈل ٹاؤن، لاہور مورخہ 02 دسمبر 2012

02 دسمبر 2012 کو لاہور کے ماڈل ٹاؤن میں واقع احمدیہ قبرستان میں 10 سے 15 نقاب پوش مسلح افراد نے تقریباً 120 کتبوں کی توڑ پھوڑ کی۔

حملہ آوروں نے قبر کھودنے والے، اس کے خاندان اور سیکورٹی گارڈ کو باندھ دیا۔ مجرموں نے انہیں قابو کر لیا اور اپنے ساتھ لائے ہوئے بھاری اوزاروں سے قبروں کے کتبے توڑنے کے لیے تیزی سے آگے بڑھے۔ گارڈ اپنی گرفتاری سے قبل پولیس کو ٹیلی فون کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ توڑ پھوڑ کا پورا واقعہ تقریباً 35 منٹ تک جاری رہا۔ پولیس کے پہنچنے پر حملہ اور فرار ہو گئے۔ کوئی گرفتاری عمل میں نہیں آئی۔

پولیس اہلکاروں نے رسمی طور پر بندھے ہوئے عملے سے مختصر بیانات لیے اور واپس چلے گئے۔ اگلے دن جب ایک پریس رپورٹر سے رابطہ کیا گیا تو لیاقت آباد تھانے کے ایس ایچ او نے مبینہ طور پر کہا کہ وہ ایسے کسی واقعے سے آگاہ نہیں ہیں۔

قبل ازیں ختم نبوت لائرز فورم کے کارکنوں نے لیاقت آباد پولیس اسٹیشن سے اس قبرستان کے مقبروں سے اسلامی تحریروں کو ہٹانے کا مطالبہ کیا تھا۔ معاملہ پولیس اور عدالت کے زیر غور تھا۔ ماڈل ٹاؤن کا یہ واقعہ انوکھا ہے کیونکہ یہ پہلی مرتبہ تھا کہ ایک پورے احمدیہ قبرستان کی بے حرمتی کی گئی۔

چک 96 جی بی، تحصیل جڑانوالہ، ضلع فیصل آباد مورخہ 09 مارچ 2014

09.03.2014 کو پنجاب پولیس نے چک 96 جی بی، تحصیل جڑانوالہ، ضلع فیصل آباد میں احمدیوں کی قبروں کی بے حرمتی کی۔ مذکورہ واقعہ انسانی حقوق اور انسانی وقار کے منافی ہے۔

تفصیلات کے مطابق احمدیہ برادری کے ایک مخالف نے پولیس کو شکایت کی کہ قبرستان میں احمدیوں کی قبروں پر کچھ مقدس تحریروں سے اس کے جذبات مجروح ہوئے ہیں۔ مقامی پولیس نے احمدیوں سے ملاقات کی اور ان سے مقدس متن یعنی کلمہ کو ہٹانے کو کہا۔ احمدیوں نے واضح کیا کہ وہ کلمہ کو نہیں مٹائیں گے اور نہ ہی کسی کو ایسا کرنے کی اجازت دیں گے۔ اس کے بعد کچھ پولیس والے قبرستان میں آئے اور سات قبروں کی ٹائلوں پر لکھا ہوا کلمہ توڑ دیا۔

حالیہ ماضی میں قلمبند کیے گئے کچھ واقعات درج ذیل ہیں جو کمیونٹی کے اراکین کی قبروں کی مسلسل بے حرمتی کا ثبوت ہیں:

فتح دریا، جھنگ۔ فروری، 2020

فتح دریا، جھنگ میں احمدیوں کی دو نعشیں قبروں نکال دی گئیں۔ مذکورہ احمدیوں کی قبریں ایک اجتماعی قبرستان میں واقع تھیں۔ اس ظلم کے ذمہ دار تا حال فرار ہیں۔ مذکورہ واقعہ تھانہ جھنگ سٹی کی حدود میں پیش آیا۔

چک 2/ٹی ڈی اے، ضلع خوشاب: 27 اور 28 فروری 2020 کی درمیانی رات

ایک اور واقعہ میں، 27 اور 28 فروری 2020 کی درمیانی رات کو پولیس اہلکاروں نے چک 2/TDA، ضلع خوشاب میں تین احمدیوں کی قبروں کی بے حرمتی کی۔ مذکورہ واقعہ تھانہ مٹھا ٹوانہ کے حدود میں پیش آیا۔

شوکت آباد کالونی، ضلع ننکانہ صاحب: 26.05.2020

26.05.2020 کو تقریباً 50 علماء اور پولیس اہلکاروں نے شوکت آباد کالونی، ضلع ننکانہ صاحب میں مدفون ایک احمدی کی قبر کی بے حرمتی کی۔ یہ واقعہ تھانہ مانگٹاں والا کی حدود میں پیش آیا۔

چک نمبر: 79 نواں کوٹ، ضلع شیخوپورہ مورخہ 30 جون 2020

30.06.2020 کو چک نمبر 79 نواں کوٹ، ضلع شیخوپورہ میں مذہبی انتہا پسندوں کی طرف سے احمدیہ قبرستان کے خلاف نفرت انگیز مہم چلائی گئی۔ اس نفرت انگیز مہم پر عمل کرتے ہوئے، پولیس اہلکاروں نے برادری کے ارکان کے درجنوں قبروں کے کتبوں کی بے حرمتی کی۔

اس گاؤں میں احمدیہ قبرستان کمیونٹی کے غیر ممبران کے قبرستان کے ساتھ واقع ہے جس میں صرف ایک پکی نالی ان کو الگ کرتی ہے۔ احمدیوں نے سرکاری زمین کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کو جنازہ کے طور پر تیار کرنے کا فیصلہ کیا (ایک کھلا علاقہ جہاں تدفین سے قبل مختصر نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے)۔ اس مقصد کے لیے سائٹ پر کچھ اینٹیں اور دیگر تعمیراتی سامان فراہم کیا گیا تھا۔ چند انتہا پسند عناصر نے اسے بڑا ایشو بنایا اور اپنی مساجد میں عوام کو اس پر اکسایا۔ مزید برآں، انہوں نے پولیس حکام کو درخواست لکھی۔ درخواست میں استدعا کی گئی تھی کہ ریاستی سرزمین پر احمدیوں نے خود کو جنازہ گاہ فراہم کر کے مسلم آبادی کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی ہے اور اگر احمدیوں کے خلاف کارروائی نہ کی گئی تو گاؤں کا امن خطرے میں ہے۔

ایس ایچ او نے 27 جون 2020 کو فریقین کو بلایا۔ تقریباً 60 علما اجلاس میں جمع ہوئے۔ ایک چھوٹا سا احمدی وفد بھی شامل ہوا۔ احمدیہ وفد نے حاضرین کو ''سلام'' کہا۔ مولویوں نے 'امن' کے اس سلام پر اعتراض کرتے ہوئے جارحانہ رویہ اختیار کیا۔ اس طرح اعتراض کے ساتھ چلایا اور غصہ اور دشمنی کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ پولیس احمدیوں کو توہین رسالت کے قانون PPC-295C جس کی سزا موت ہے کے تحت مقدمہ درج کرے۔ تاہم، ایس ایچ او نے سب کو کہا کہ وہ ایجنڈے کے ساتھ آگے بڑھیں۔

علما نے میٹنگ کے دوران کہا کہ جنازہ گاہ کی تیاری اور احمدیوں کے مقبروں پر اسلامی تحریروں نے ان کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ اس لیے ان کو ہٹا دیا جائے۔ ان کو ہٹانے میں ناکامی کی صورت میں علماء نے پولیس کو نتائج بھگتنے کی دھمکی دی۔ اس پر ایس ایچ او نے احمدیوں سے اسٹامپ پیپر پر تحریری حلف لیا کہ وہ جنازہ گاہ نہیں بنائیں گے۔

اس دوران، کچھ علماء گاؤں کے ارد گرد گھومتے ہوئے گاؤں والوں سے یہ عہد لے رہے تھے کہ وہ احمدیوں کو اپنے مردہ کو قبرستان میں دفنانے نہیں دیں گے۔ کچھ لوگوں نے عہد پر دستخط کیے جبکہ کچھ نے نہیں کیے۔ مخالفین کے پاس گاؤں میں پانچ مساجد ہیں جہاں نفرت انگیز تقاریر کی جاتی ہیں اور لوگوں کو احمدیوں کے خلاف بائیکاٹ کرنے پر اکسایا جاتا ہے۔

بعد ازاں 30 جون کو علما دوبارہ تھانے گئے جہاں انہوں نے احمدی مخالف نعرے لگائے۔ آخر کار، علماء نے پولیس کے ساتھ مل کر احمدیوں کی قبروں کے کتبوں کو ہتھوڑوں اور چھینیوں سے بے حرمتی اور نقصان پہنچایا جبکہ درجنوں قبروں کے کتبوں سے مقدس نوشتہ جات کو مٹا دیا۔ رات گیارہ بجے تک

اندھیرے میں ہوتا رہا۔

بی بی سی نیوز (اردو) نے ایس ایچ او جناب صداقت رندھاوا سے اس واقعے پر ان کا تبصرہ جاننے کے لیے رابطہ کیا۔انہوں نے قبروں کی بے حرمتی کے ایسے کسی بھی واقعے کی تردید کی۔ جب انہیں بتایا گیا کہ ٹوٹے ہوئے کتبوں کی تصاویر ٹوئٹر پر دستیاب ہیں، تو انہوں نے کہا کہ وہ ان تصاویر کے ذرائع سے واقف نہیں ہیں۔ تاہم، انہوں نے کہا کہ انہوں نے جائے وقوعہ کا دورہ کیا ہے اور اس طرح کے واقعے کا کوئی سراغ نہیں ملا۔

ترگیری، ضلع گوجرانوالہ، مورخہ 13-07-2020

ایک شکایت پر کارروائی کرتے ہوئے مورخہ 13.07.2020 کو تھانہ گوجرانوالہ کینٹ کے پولیس اہلکاروں نے ضلع گوجرانوالہ کے گاؤں ترگیری میں احمدیوں کی قبروں کے 67 کتبوں کو تباہ کر دیا۔

161 مراد، ضلع بہاولپور، ستمبر 2020

2007 تک 161 مراد، ضلع بہاولپور میں احمدیوں اور غیر احمدیوں کا مشترکہ قبرستان تھا۔ بعض مذہبی انتہا پسندوں کی دشمنیوں کے جواب میں، احمدیوں نے اپنے آپ کو ایک مقامی احمدی مسٹر مقبول احمد کی طرف سے عطیہ کردہ زمین پر ایک علیحدہ قبرستان فراہم کیا۔ مخالفین نے حکام کو شکایت درج کرائی کہ احمدیوں نے قبروں پر قرآنی آیات لکھی ہیں، جس سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ ان کو ہٹا دیا جانا چاہئے . جواب میں، ایس ایچ او پی ایس صدر، حاصل پور اور مقامی پولیس انسپکٹر نے موقع کا دورہ کیا۔ انہوں نے علاقے کے غیر احمدیوں سے بات کی لیکن احمدیوں سے بات نہیں کی۔ اس واقعے کے بعد علاقے کے احمدی اپنے آپ کو کمزور محسوس کر رہے ہیں کیونکہ ان دنوں احمدیوں کی قبروں کی بے حرمتی معمول کا کام ہے۔

ضلع شیخوپورہ مورخہ 18 ستمبر 2020

محترم صدیق، ایک احمدی، کینسر کے مرض میں مبتلا تھے۔ بیماری کے دوران انہوں نے وصیت کی کہ اگر ان کی لاش گاؤں کے قبرستان میں دفن نہیں ہو سکتی تو اسے اس کی اپنی کھیتی میں دفن کیا جائے۔

محترم صدیق کا انتقال 18 ستمبر 2020 کو ہوا، اس کے بعد ان کی تدفین کے لیے گاؤں کے قبرستان میں ایک قبر کھودی گئی لیکن مخالفین نے ان کی تدفین کی مخالفت کی۔ پولیس نے ان کی تدفین میں آسانی پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ حالات کے پیش نظر انہیں ان کے اپنے کھیتوں میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

شاہ مسکین، ضلع شیخوپورہ مورخہ 28 دسمبر 2020

28.12.2020 کو، تین علماء اور تین پولیس اہلکاروں نے شاہ مسکین، ضلع شیخوپورہ میں احمدیوں کی عبادت گاہ کا دورہ کیا اور کمیونٹی کے ارکان کی قبروں کی تصاویر لیں۔ اس کے بعد 30.12.2020 کو کمیونٹی کے مقامی سربراہ کو تھانہ فیض آباد آنے کو کہا گیا۔

شکایت کنندگان، پولیس حکام اور جواب دہندگان کے درمیان ایک سمجھوتہ طے پایا کہ قانون کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔ تاہم یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ بعد میں پولیس حکام نے احمدیوں کی عبادت گاہ کا دورہ کیا اور کچھ مینار اور تقریباً 40 احمدیوں کی قبریں مسمار کر دیں۔

ڈھیر کنا، ضلع چکوال: دسمبر، 2020

دسمبر 2020 میں ڈھیر کنا، ضلع چکوال میں کمیونٹی کے ارکان کی تین قبروں کی بے حرمتی کا ایک واقعہ ریکارڈ کیا گیا۔ اس ظلم کے ذمہ دار تا حال فرار ہیں۔ یہ واقعہ تھانہ کلر کہار کی حدود میں پیش آیا۔

ڈھیرو، ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ مورخہ 26 جنوری 2021

حال ہی میں، ڈھیرو، ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ میں بعض شر پسندوں کی جانب سے کمیونٹی کے افراد کی قبروں کے حوالے سے ایک پروپیگنڈا شروع کیا گیا۔ اس کے بعد شر پسندوں کی شکایت پر پولیس اہلکاروں نے کمیونٹی کے ارکان کی قبروں پر لکھے ہوئے اسلامی کلمات کو سیمنٹ کیا۔ یہ واقعہ تھانہ گوجرہ صدر، ٹوبہ ٹیک سنگھ کی حدود میں پیش آیا۔

26.01.2021 کو تحصیلدار، پٹواری اور گاؤں کے ایس ایچ او نے احمدیہ قبرستان کا دورہ کیا اور سیمنٹ والی قبروں کے کتبوں کو تباہ کیا۔

بھوئیوال، ضلع شیخوپورہ مورخہ 08 جنوری 2021

08.01.2021 کو بھوئیوال، ضلع شیخوپورہ میں 3 احمدیوں کی قبروں کی بے حرمتی کی گئی۔ مذکورہ قبرستان تھانہ شرقپور، ضلع شیخوپورہ کی حدود میں ہے۔ برادری کے ارکان کی جانب سے حکام کے سامنے قبروں کی بے حرمتی کے حوالے سے شکایت درج کروائی گئی۔ برادری کی شکایت پر کارروائی کرنے کے بجائے، 11.01.2021 کو اسد اللہ ولد منظور احمد ساکن حکیم گڑھی شرق پور کی شکایت پر متعدد احمدیوں کے خلاف تعزیرات پاکستان 1860 کی دفعہ 298-C کے تحت پولیس میں ایف آئی آر درج کی گئی۔ سٹیشن شرقپور شریف، ضلع شیخوپورہ کمیونٹی کے ممبران کی قبروں کے کتبوں پر اسلامی رسم الخط استعمال کرنے کی وجہ سے۔

565 جی بی جڑانوالہ، ضلع فیصل آباد: 03.02.2021

03.02.2021 کو 565 جی بی جڑانوالہ، ضلع فیصل آباد میں پولیس اہلکاروں نے احمدی برادری کے ارکان کی 25 قبروں کی بے حرمتی کی۔

کانا کونٹا، ٹوبہ ٹیک سنگھ

تھانہ گوجرہ صدر، ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ڈی ایس پی کے سامنے کانا کونٹا، ٹوبہ ٹیک سنگھ میں برادری سے تعلق رکھنے والے قبرستان میں اسلامی حروف کے استعمال کے حوالے سے شکایت درج کرائی گئی۔ مذکورہ تھانے میں شکایت ابھی تک زیر التوا ہے۔

چک 604، ضلع مظفر گڑھ: 11.04.2021

مورخہ 11.04.2021 کو چک 604، ضلع مظفر گڑھ میں احمدیہ برادری کے مخالفین نے پولیس اہلکاروں کے ساتھ مل کر ایک احمدی قبر سے اسلامی صحیفے ہٹائے۔

'عورت مارچ اس سال اجرت، تحفظ اور خواتین کے لیے سکون پر توجہ مرکوز کرے گا'

پیر زادہ سلمان

خواتین کے عالمی دن (8 مارچ) پر اس سال عورت مارچ کا نعرہ اجرات، تحفظ اور سکون ہے۔ یہ بات معروف فنکارہ اور سماجی کارکن شیما کرمانی نے جمعرات کی شام کراچی پریس کلب میں ایک پریس کانفرنس میں کہی۔

محترمہ کرمانی نے کہا کہ اس سال کا پانچواں عورت مارچ ہوگا۔ انہوں نے ملک کی خواتین کی جانب سے میڈیا کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے ان کے مقصد کی حمایت کی، انہیں کوریج دی جس سے خواتین کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ اس بار مزدوروں کی بھرمار نظر آئے گی۔ "ہم سمجھتے ہیں کہ خواتین جو محنت کرتی ہیں اسے تسلیم نہیں کیا جاتا۔"

اپنی تقریر کے بعد مارچ کے ایک منتظم نے تین مرکزی مطالبات پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ مارچ خواتین اور خواجہ سراؤں کی محنت اور مشقت کے لیے وقف ہے۔

مطالبات درج ذیل ہیں

1) تمام کارکنان، چاہے وہ کارخانوں میں کام کر رہے ہوں، کھیتوں اور گھروں میں، گھروں میں گھریلو ملازمین کے طور پر یا صفائی ستھرائی کے کارکنوں کے طور پر انہیں اپنے اور اپنے خاندانوں کے لیے محفوظ رہائش، معیاری تعلیم اور سستی صحت کی دیکھ بھال تک رسائی کی بنیاد پر اجرت دی جائے۔ پہلے قدم کے طور پر تمام شعبوں میں کم از کم اجرت کو فوری طور پر اطلاق، اور ان تمام عناصر کے لیے جو اس سے انکار کرتے ہیں قانون کے تحت جرمانہ عائد کیا جائے۔

2) تمام خواتین اور خواجہ سرا برادری کے لیے ماہانہ وظیفہ کے ذریعے سماجی تحفظ اور سلامتی کی فراہمی ان کی دیکھ بھال کی مزدوری اور ان کے ساتھ ہونے والے معاشی تشدد کے پیش نظر۔

3) ریاست چائلڈ لیبر، کام کے لیے اسمگلنگ، اور گروی مزدوری کو ختم کر کے بچوں کی فلاح و بہبود کو ترجیح دے۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ کراچی کے ہر ضلع اور باقی سندھ میں بچوں کی دیکھ بھال اور تحفظ کے مراکز اور چائلڈ سپورٹ سروسز فراہم کرے۔

مطالبات کی وضاحت کے بعد، محترمہ کرمانی کے ساتھ بیٹھی خواتین نے خطاب کیا۔ غزالہ شفیق نے کہا کہ اگرچہ ان کا تعلق مسیحی برادری سے ہے لیکن وہ ایک پاکستانی خاتون کے طور پر کانفرنس میں شرکت کر رہی ہیں۔ انہوں نے گھریلو ملازمین کی حالت زار پر بات کی۔ انہوں نے کہا کہ مزدوروں کے لیے ڈے کیئر سینٹرز ہونے چاہئیں جہاں وہ اپنے بچوں کو

اس سال مارچ کا نعرہ اجرات، تحفظ اور سکون ہے

غزالہ شفیق نے کہا کہ اگرچہ ان کا تعلق مسیحی برادری سے ہے لیکن وہ ایک پاکستانی خاتون کے طور پر کانفرنس میں شرکت کر رہی ہیں۔ انہوں نے گھریلو ملازمین کی حالت زار پر بات کی۔ انہوں نے کہا کہ مزدوروں کے لیے ڈے کیئر سینٹرز ہونے چاہئیں جہاں وہ اپنے بچوں کو اس وقت چھوڑ سکیں جب وہ کام پر ہوں کیونکہ ان کی اجرت انتہائی کم ہے۔

اس وقت چھوڑ سکیں جب وہ کام پر ہوں کیونکہ ان کی اجرت انتہائی کم ہے۔ انہوں نے ایک ایسی لڑکی کی پریشان کن کہانی سنائی جس کی ماں اسے حفاظت کے لیے کسی کے گھر چھوڑ کر چلی گئی لیکن وہاں اس سے اپنا عقیدہ بدلنے کو کہا گیا۔ اس کے علاوہ، ایک عمر رسیدہ شخص نے 12 سالہ بچی سے کہا کہ وہ تحفظ کے عوض اس سے شادی کرے۔ لڑکی ڈاکٹر بننا چاہتی تھی لیکن اس کے خواب اس سے چھین لیے گئے۔ انہوں نے حکام پر زور دیا کہ وہ گھریلو ملازمین کو مزدور قرار دیں۔ بدقسمتی سے گھریلو ملازمین ماہانہ 8000 روپے کما رہے ہیں اور ان کی لڑکیوں کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہے۔

ایک گھریلو ملازمہ، محترمہ بلقیس نے بتایا کہ وہ جو کام کرتی ہے اس کے لیے انہیں 2500 روپے ملتے ہیں۔ "جب میں بیمار پڑ جاتی ہوں، تو وہ مجھے کہتے ہیں، آنٹی کام کر کے جاؤ۔"

فشر لوک کمیونٹی سے تعلق رکھنے والی فاطمہ مجید نے کہا کہ ان کی برادری کی خواتین کا بھی استحصال ہوتا ہے۔ اس نے ان کے لیے سماجی تحفظ کا مطالبہ کیا۔

ٹیکسٹائل کی ایک کارکن ریحانہ نے کہا کہ صنعتی شعبے میں کام کرنے والے آدھے سے زیادہ مزدور خواتین ہیں۔ انہیں کبھی کبھی گھر سے کام کرنے کو بھی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ فیکٹریوں میں مردوں کو عورتوں سے زیادہ تنخواہ دی جاتی ہے۔ انہوں نے فیکٹریوں میں خواتین کو جنسی طور پر ہراساں کیے جانے کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے مزید کہا کہ اجرت اور جنسی ہراسانی سے متعلق قوانین پر عمل درآمد ہونا چاہیے۔

ہندو برادری کی نمائندگی کرنے والی پشپا کماری نے کہا کہ وہ تحفظ (حفاظت یا سلامتی) کے بارے میں بات کریں گی اور نشاندہی کی کہ اقلیتوں سے تعلق رکھنے والی خواتین خود کو محفوظ محسوس نہیں کرتیں۔ انہوں نے سندھ میں مذہب کی جبری تبدیلیوں کے بارے میں بات کی اور مطالبہ کیا کہ ریاست انہیں تحفظ فراہم کرے۔

خواجہ سرا برادری کی نمائندگی کرنے والی زہریلی خانزادی نے کہا کہ وہ ایک ایسے ملک میں رہتے ہیں جہاں اللہ نے انہیں زندگی دی لیکن معاشرہ انہیں عزت نہیں دیتا۔

صفائی ستھرائی کے کام پر مامور کارکنان اور نرسوں کے نمائندوں نے بھی خطاب کیا۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

جنسی ذہنیت اور پنجاب پولیس فورس میں صنفی عدم توازن

شہریار رمضان

محکمہ پولیس پنجاب کی ویب سائٹ کے مطابق ایس پی، اے ایس پی، ڈی ایس پی، ایس آئی، ٹریفک وارڈن، اے ایس آئی، ہیڈ کانسٹیبل، کانسٹیبل سمیت مختلف عہدوں پر تقریباً 4 ہزار خواتین پولیس اہلکار موجود ہیں، تاہم ایک سینئر افسر کے مطابق ایک لاکھ 75 ہزار کی پنجاب پولیس فورس میں خواتین ایک فیصد سے بھی کم ہیں۔

ڈان اخبار کی رپورٹ کے مطابق، صنفی عدم توازن کی صورتحال عالمی معاشی فورم کی رپورٹ 2021 سے مزید واضح ہوجاتی ہے۔ رپورٹ میں پاکستان کا درجہ 156 ممالک میں سے 153 تھا۔ ایک اور بات جس سے یہ صورتحال مزید واضح ہوجاتی ہے وہ یہ ہے کہ 1994 میں ملک کے پہلے خواتین پولیس اسٹیشن کے قیام کے بعد سے لگ بھگ 3 دہائیوں کے بعد بھی صرف آدھے درجن خواتین پولیس اسٹیشن بنے ہیں۔

فیصل آباد کے واحد خواتین پولیس اسٹیشن کی اسٹیشن ہاؤس افسر (ایس ایچ او) مدیحہ ارشاد کا ڈان سے بات کرتے ہوئے کہنا تھا کہ سماجی اور ثقافتی رکاوٹیں خواتین کو پولیس فورس میں شمولیت سے روکتی تھیں خاص طور پر دیہاتی علاقوں میں مگر اب ایسا نہیں ہے۔

ان کا کہنا تھا کہ '7 سال قبل جب میں نے پولیس فورس میں شمولیت اختیار کی تو اس وقت صرف پڑھانے کا شعبہ ایسا تھا جس کو اپنانے کے لیے لڑکیوں کو کہا جاتا تھا، لیکن اب لوگوں کا سوچنے کا انداز بدل رہا ہے، میں خود ایک دیہاتی علاقے سمندری سے تعلق رکھتی ہوں اور وہاں سے پولیس فورس میں شامل ہونے والی پہلی خاتون تھی لیکن میرے بعد کئی لڑکیاں پولیس فورس میں شامل ہوئی ہیں'۔

مدیحہ ارشاد یہ بھی محسوس کرتی ہیں کہ خواتین پولیس اسٹیشن کی تعداد کم ہونے کی وجہ وسائل کی کمی بھی ہے لیکن حکومت، تحصیل اور ضلعی سطح پر ان کو بڑھانے کے لیے کام کر رہی ہے۔

ایس ایچ او سمجھتی ہیں کہ خواتین عام پولیس تھانوں میں رپورٹ درج کرانے کے لیے جانے سے کتراتی ہیں کیونکہ وہاں رپورٹنگ افسر مرد ہوتے ہیں، مدیحہ ارشاد جن کو پی پی ایس سی امتحان پاس کرنے کے بعد 2014 میں فورس میں شامل کیا تھا، کا کہنا تھا کہ لوگوں نے ان کی بھی پولیس فورس میں شمولیت کی حوصلہ شکنی کی تھی مگر ان کا ارادہ پختہ تھا۔

سینئر سپرنٹنڈنٹ آف پولیس (ایس ایس پی) عمارہ اطہر، جو اس وقت پنجاب کانسٹیبلری بٹالین کمانڈر ہیں، نے بھی اس بات سے اتفاق کیا کہ تھانوں میں خواتین اہلکاروں کی کم تعداد کے باعث خواتین رپورٹ درج کرانے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتی ہیں، لیکن ان کا کہنا تھا کہ اس صورتحال میں ہر جگہ خواتین اہلکاروں کو تعینات کرنا حل نہیں ہے بلکہ مرد اہلکاروں میں جنسی حساسیت سے متعلق شعور اجاگر کرنا حل ہے۔

انہوں نے کہا کہ ویمن پولیس اسٹیشن ماڈل کامیاب نہیں ہوا، یہ قابل عمل نہیں ہے، کیونکہ آپ پورے شہر کی خواتین کو ایک ہی تھانے جانے پر مجبور نہیں کر سکتے، ہر پولیس تھانے کو تمام لوگوں کا خیال رکھنا چاہیے، اس کے لیے انہیں مضبوط کرنے کی ضرورت ہے اور سمجھانے کی ضرورت ہے کہ شکایت کنندہ کی صنف کی بنیاد پر ان سے برتاؤ نہیں کیا جائے۔

خواتین کے حقوق کے تحفظ کے سلسلے میں قانون سازی سمیت کافی پیش رفت ہونے کے باوجود انصاف تک رسائی اتنی آسان نہیں ہوئی، قانون نافذ کرنے والے اداروں میں موجود بڑے صنفی خلا اور حکام کے درمیان صنفی حساسیت نہ ہونے کے باعث کئی مسائل ہیں۔

پولیس اور عدلیہ سمیت زیادہ تر اداروں میں مرد بالادستی اور ان کے اندر چھائی پدرانہ ذہنیت اپنے مسائل بتانے میں خواتین کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں خاص طور پر دیہاتی علاقوں میں۔

پولیس کی جانب سے شکایت کنندہ خواتین کی حوصلہ افزائی کے لیے کیے گئے اقدامات، جیسے صوبے کے تمام 36 اضلاع میں ہیلپ ڈیسک کا قیام، خواتین پولیس اہلکاروں کے ذریعے چلنے والا انسداد ہراسانی اور تشدد سیل بھی خاطر خواہ فائدہ مند ثابت نہیں ہوئے اور فورس میں خواتین کی نمائندگی بھی غیر معمولی طور پر کم رہی۔

ایس ایس پی عمارہ اطہر نے ایس ایچ او مدیحہ ارشاد کی بات کو دہرایا کہ وقت بدل رہا ہے اور بہت سی لڑکیاں کانسٹیبل کی آسامیوں کے لیے بھی درخواستیں دے رہی ہیں، لیکن زیادہ خواتین کو شامل کرنے کے بجائے موجودہ افسران کو برقرار رکھنا اور ان کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا ضروری ہے، جس سے دوسروں کی حوصلہ افزائی ہوگی۔ پولیس سروس آف پاکستان کے امیدواروں کے لیے یہ مختلف ہے، لیکن جونیئر

> **پولیس کی جانب سے شکایت کنندہ خواتین کی حوصلہ افزائی کے لیے کیے گئے اقدامات، جیسے صوبے کے تمام 36 اضلاع میں ہیلپ ڈیسک کا قیام، خواتین پولیس اہلکاروں کے ذریعے چلنے والا انسداد ہراسانی اور تشدد سیل بھی خاطر خواہ فائدہ مند ثابت نہیں ہوئے اور فورس میں خواتین کی نمائندگی بھی غیر معمولی طور پر کم رہی۔**

خواتین اہلکاروں کو ترقیوں کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، کیونکہ وہ فیلڈ میں تعینات نہیں ہوتیں اور بہت ساری وہ شرطیں جو ترقیوں کے لیے ضروری ہیں وہ پوری نہیں کر پاتیں جبکہ لڑکے اور لڑکیاں دونوں ایک ہی تربیت سے گزرتے ہیں، فیصلہ سازی میں مزید خواتین کی شمولیت سے صورتحال میں بہتری آئے گی کیونکہ مرد افسران اپنی خواتین ساتھیوں سے بات نہیں کرتے، اس لیے ان کے مسائل کے بارے میں نہیں جانتے۔

سینئر افسر سمجھتی ہیں کہ اگر قائد مضبوط ہے تو فورس میں صنفی حساسیت کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

تاہم 2009 میں سی ایس ایس پاس کرنے کے بعد سے پولیس فورس میں شامل ہونے اور مختلف سینئر عہدوں پر کام کر کے ایس ایس پی سطح تک پہنچنے والی افسر کے لیے ان کا یہ سفر اتنا ہموار نہیں تھا۔

عمارہ اطہر کا کہنا تھا کہ وہ پنجاب میں خواتین کے پہلے اے ایس پی بیچ کا حصہ تھیں، اس لیے ان کے سامنے پہلا چیلنج فیلڈ پوسٹنگ تھا، یہ وہ میدان تھا جو اس وقت تک صرف ان کے مرد ہم منصبوں کے پاس تھا، اس وقت کے پولیس چیف نے ہمیں ہیڈ کوارٹرز میں تعینات کرنا چاہا، لیکن میں لڑی کہ ہیڈ کوارٹرز میں تعیناتی سے ہم ضائع ہوجائیں گی کیونکہ ہم بھی اسی تربیت سے گزرے تھے اور انہیں مجبور کیا کہ وہ اپنی بات کو چھوڑیں، لہٰذا پہلا چیلنج قبول کیا جانا، ثقافتی اور معاشرتی رکاوٹوں کو عبور کرنا تھا، اب ہر خاتون اے ایس پی کو فیلڈ میں تعینات کیا جاتا ہے۔

ایس ایس پی عمارہ اطہر نے یاد کرتے ہوئے کہا کہ ایک اور اہم مسئلہ جس کا انہیں اور ان کی ساتھیوں کو سامنا کرنا پڑا وہ جنسی ذہنیت سے لڑنا تھا، چاہے وہ ذہنیت عدلیہ میں ہو یا ان

کے سینئر افسران میں، کچھ افسران اب بھی سوال کرتے ہیں کہ خواتین فورس میں کیوں شامل ہوں، یہ سلسلہ تب سے جاری ہے جب میں نے شمولیت اختیار کی، جب کوئی مرد افسر غلطی کرتا ہے تو اس کے ساتھ ضوابط کے مطابق برتاؤ جاتا ہے لیکن خاتون کی جانب سے غلطی کی صورت میں کہا جاتا ہے کہ وہ عورت ہونے کی وجہ سے یہ کام نہیں کرسکتی۔

یہ جنس پرست ذہنیت خواتین پر مشتمل فورس کے حصے کو مرکزی دھارے میں لاکر بدلی جاسکتی ہے، جب آپ ان کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے اسی لیے وہ خود کو ثابت کرنے سے قاصر ہیں، شاید ہی کوئی ڈی پی او خواتین کانسٹیبل سے ان کے مسائل سننے کے لیے ملتا ہو، اگر خواتین اہلکاروں کو معاوضہ مل رہا ہے تو ان سے کام بھی لینا چاہیے، ان کے اچھے کام کو نمایاں کیا جانا چاہیے اور ان کے ساتھ مرد ہم منصبوں کی طرح کا سلوک کیا جانا چاہیے۔

ان کا مزید کہنا تھا کہ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ کچھ لڑکیاں اس وقت مطمئن ہو جاتی ہیں جب انہیں کوئی کام نہیں سونپا جاتا، یہ ان لوگوں کے لیے موزوں ہے جو رات کی ڈیوٹی نہیں کرسکتے، اس لیے اس طرح کے کانسٹیبلز کے لیے افسران کو اوقات کو اپنی مرضی کے مطابق کرنے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے اس پر زور دیتے ہوئے کہا کہ جب میں سرگودھا ڈی پی او کے طور پر خدمات انجام دے رہی تھی، میں نے ایک سب انسپکٹر کو بطور ایس ایچ او تعینات کیا اور وہ اپنی شادی کے پانچ دن بعد کام پر واپس آ گئی کیونکہ وہ کارکردگی دکھانا چاہتی تھی، جب ایسے اہلکاروں میں سے چند کو ذمہ داریاں سونپی جاتی ہیں تو اس سے دوسرے اہلکاروں کی بھی حوصلہ افزائی ہوتی ہے، ورنہ پولیس فورس کی صنفی حساسیت بھی کوئی مدد نہیں کرے گی۔

ایس ایچ او مدیحہ ارشاد کا اپنی سات سالہ سروس کا تجربہ بہت اچھا رہا ہے اور وہ دعویٰ کرتی ہیں کہ ان کے اعتماد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، نوجوان افسر کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، جو ایس ایس پی عمارہ اطہر کی مشکلات سے مختلف تھیں جنہوں نے اپنے بعد لڑکیوں کی پولیس میں شمولیت کی راہ ہموار کی۔

ان کو پیش آنے والی مشکلات میں کیس کو حل کرنے، مشتبہ افراد کو پکڑنے اور دور دراز علاقوں میں چھاپے مارنے میں لگنے والی توانائی اور وقت شامل ہے، لیکن شکر ہے کہ میں کامیاب رہی اور مجھے اپنے خاندان اور محکمے کی طرف سے بہت زیادہ تعاون ملا ہے، وہ محسوس کرتی ہیں کہ پولیس میں خواتین کے لیے مختص کوٹے کو 10 سے بڑھا کر 15 فیصد کیا جانا چاہیے جبکہ خواتین کو اوپن میرٹ پر بھی منتخب کیا جاتا ہے۔

ڈی آئی جی (آپریشنز) کامران عادل سمجھتے ہیں کہ مختص 10 فیصد کوٹہ پورا کرنا بھی ایک کارنامہ ہوگا، وہ محسوس کرتے ہیں کہ لڑکیاں لیگ ورک، رات دیر تک کی ڈیوٹی اور سخت تربیت سے بچنا چاہتی ہیں اسی لیے فورس میں شامل نہیں ہوتیں، یہ ایک ایسی دلیل ہے جو ایس ایس پی عمارہ اطہر پہلے ہی اپنے تجربے سے غلط ثابت کرچکی ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ کچھ وسائل، ڈھانچہ جاتی اور ثقافتی

یہ جنس پرست ذہنیت خواتین پر مشتمل فورس کے حصے کو مرکزی دھارے میں لاکر بدلی جاسکتی ہے، جب آپ ان کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے اسی لیے وہ خود کو ثابت کرنے سے قاصر ہیں، شاید ہی کوئی ڈی پی او خواتین کانسٹیبل سے ان کے مسائل سننے کے لیے ملتا ہو، اگر خواتین اہلکاروں کو معاوضہ مل رہا ہے تو ان سے کام بھی لینا چاہیے، ان کے اچھے کام کو نمایاں کیا جانا چاہیے اور ان کے ساتھ مرد ہم منصبوں کی طرح کا سلوک کیا جانا چاہیے۔

مسائل ہیں جن پر خواتین سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں ہیں، پنجاب میں تقریباً ایک لاکھ 75 ہزار پولیس اہلکار ہیں جن میں سے ایک فیصد سے بھی کم خواتین ہیں، یہی وجہ ہے کہ مقدمات کی قانونی ذمہ داریاں پوری نہیں کی جاسکتیں، کیونکہ چھاپے مارنے کے لیے خواتین اہلکار، سڑکوں پر یا پراسیکیوٹر نہیں ہیں، اس لیے خواتین کے لیے انصاف تک رسائی مشکل ہے۔

ڈی آئی جی کا کہنا تھا کہ وہ مانتے ہیں کہ خواتین اہلکاروں کو مرکزی دھارے میں لانے اور تھانوں کی فضا کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے، اس سلسلے میں ہم صحیح راستے پر ہیں لیکن مزید محنت اور توانائی کی ضرورت ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

پارلیمانی کمیٹی آئینی عبوری صوبہ گلگت بلتستان کی احتجاجی قرارداد

28 فروری 2022ء کو بلوچستان عوامی پارٹی کی جانب سے گلگت بلتستان کو آئینی عبوری صوبہ بنانے سے متعلق آئینی ترمیمی بل جمع کرانے کے بعد پیدا ہونے والی صورت حال پر غور کرنے کے لیے پارلیمانی کمیٹی آئینی عبوری صوبہ گلگت بلتستان کا اجلاس 28 فروری 2022 کو رات گیارہ بجے جی بی ہاؤس اسلام آباد میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں ممبران کمیٹی نے بلوچستان عوامی پارٹی (BAP) کی طرف سے آئینی ترمیم کے لیے سینٹ میں جمع کرائے گئے بل پر شدید تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ گلگت بلتستان کے عوام کی مرضی ومنشاء کے خلاف بلامشاورت ہونے والے ایسے کسی بھی اقدام کی مذمت ومزاحمت ہوگی۔ کمیٹی ممبران نے کہا کہ گلگت بلتستان کی پارلیمانی کمیٹی ٹرانزیشن پلان پر کام کر رہی ہے اور آئینی مسودے میں مزید بہتری کے لیے سفارشات مرتب کر رہی ہے۔ ایسے میں ڈرامائی انداز میں بی اے پی کی طرف سے ایک غیر جامع آئینی بل جمع کرانا غیر سنجیدہ عمل ہے۔

وزیراعلیٰ گلگت بلتستان خالد خورشید نے کہا کہ اس نے وزیراعظم پاکستان جناب عمران خان اور چیئرمین سینٹ جناب صادق سنجرانی سے بذریعہ فون رابطہ کیا ہے اور بل واپس لینے کی یقین دہانی کرائی گئی ہے۔ پارلیمانی کمیٹی نے کہا کہ گلگت بلتستان کے منتخب نمائندوں کی طرف سے مرتب کردہ مسودے کے علاوہ کسی بھی آئینی مسودے کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ پارلیمانی کمیٹی نے بطور احتجاج سینٹ میں بی اے پی کی طرف سے جمع کرائے گئے آئینی ترمیمی بل کی واپسی تک آئینی عبوری صوبہ سے متعلق کام کرنے اور مشاورتی عمل میں شریک نہیں ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔

شرکاء اجلاس:۔

سید امجد علی زیدی، سپیکر جی بی اسمبلی، نذیر احمد ایڈووکیٹ، ڈپٹی سپیکر جی بی اسمبلی، حاجی شاہ بیگ، وزیر ایکسائز ایڈ ٹیکسیشن جی بی، مشتاق احمد، وزیر پانی وبجلی جی بی، میسم کاظم، وزیر وزراعت جی بی، محمد انور، ممبر جی بی اسمبلی چیئرمین پی اے سی، جاوید علی منواء، وزیر خزانہ جی بی، سعدیہ دانش، ممبر جی بی چیئرمین سٹینڈنگ کمیٹی، سید سہل عباس، مشیر قانون جی بی، وزیر سلیم، وزیر تعمیرات جی بی، شمس الحق لون، مشیر خوراک جی بی، حاجی رحمت خالق، ممبر جی بی، چیئرمین سٹینڈنگ کمیٹی تعمیرات، حاجی گلبر خان، وزیر صحت گلگت بلتستان۔

وزیراعظم پاکستان جناب عمران خان اور چیئرمین سینٹ جناب صادق سنجرانی سے بذریعہ فون رابطہ کیا ہے اور بل واپس لینے کی یقین دہانی کرائی گئی ہے۔ پارلیمانی کمیٹی نے کہا کہ گلگت بلتستان کے منتخب نمائندوں کی طرف سے مرتب کردہ مسودے کے علاوہ کسی بھی آئینی مسودے کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

گلگت ۔ بلتستان مستقل صوبہ کیوں نہیں بن سکتا؟

اسرارالدین اسرار

جی ہاں یہ سوال بجا ہے کہ عبوری کیوں گلگت بلتستان پاکستان کا مستقل صوبہ کیوں نہیں بن سکتا؟ سوچنے والوں نے یقیناً اس پر تفصیلی غور وخوص کے بعد ہی صوبہ کے ساتھ عبوری کا لاحقہ لگا دیا ہوگا تا کہ سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ ماضی کے تلخ تجربات کی روشنی میں گلگت بلتستان کے مقامی لوگ گومگو کی کیفیت میں مبتلا ہیں۔ ماضی کی طرح اس دفعہ بھی یہاں کے باسیوں کے ساتھ ہاتھ ہونے کی صورت لوگوں میں پائی جانے والی محرومیوں میں مزید اضافہ ہوگا۔

2009 میں تمام پاکستانیوں کو بتایا گیا تھا کہ گلگت بلتستان پاکستان کا صوبہ بن چکا ہے۔ عام آدمی نظام حکومت کی موشگافیوں سے واقف نہیں اس لئے درجنوں پاکستانی دوست اب ہم سے روز استفسار کرتے ہیں کہ گلگت بلتستان کو تو بہت پہلے صوبہ بنایا گیا تھا اب دوبارہ یہ عبوری صوبے کی کیا کہانی چل رہی ہے؟ ایسے دوستوں کو سمجھانے کے لئے ہمیں پھر کہانی شروع سے دہرانی پڑتی ہے۔

یعنی یکم نومبر 1947 سے قبل گلگت بلتستان مہاراجہ کمشیر کے زیر حکمرانی ریاست کشمیر کا ایک صوبہ تھا۔ جس کا آخری گورنر گھنسارا سنگھ تھا۔ پاکستان کی آزادی کے بعد گلگت شہر سے تقریباً ساٹھ کلومیٹر دور بونجی کے مقام پر تعینات ریاست کشمیر کی ریگولر آرمی یعنی کشمیر انفنٹری اور گلگت شہر میں تعینات انگریز کمانڈنٹ میجر براون کی قیادت میں مقامی پیرا ملٹی فورس یعنی گلگت سکاوٹس نے مہاراجہ کشمیری کی حکومت کے خلاف یکم نومبر 1947 میں علم بغاوت بلند کیا۔ جس کے نتیجے میں گلگت میں تعینات آخری کشمیری ڈوگرا گورنر گھنسارا سنگھ کو جب گرفتار کر کے قیدی بنا دیا گیا تو مقامی انقلابی کونسل نے گلگت کے مقامی راجہ کی سربراہی میں اپنی ایک عبوری حکومت بنانے کا اعلان کیا۔ لیکن صرف 16 دنوں کے اندر اندر پاکستان کی حکومت نے سردار عالم نامی اپنا نمائندہ یہاں بھیجا جس نے بحیثیت پولیٹیکل ایجنٹ چارج سنبھالتے ہی مقامی حکومت کو معزول کر دیا، مقامی حکومت کے سربراہ کو سول سپلائی آفیسر کی نوکری پر لگا دیا اور گلگت بلتستان کو صوبہ سرحد کی ایک ایجنسی کے طور پر انتظام چلانے لگا۔ 1949 میں معاہدہ کراچی (جو کہ آزاد کشمیر اور پاکستان کی حکومتوں کے درمیان ہوا تھا) کے بعد گلگت بلتستان کو صوبہ سرحد سے الگ کر کے نء وجود میں آنے والی وزارت امور کمشیر وگلگت بلتستان کے سپرد کیا گیا۔ تب سے لیکر اب تک گلگت بلتستان وفاق کے زیر انتظام ایک انتظامی یونٹ کے طور پر چلایا جاتا رہا ہے۔ ان ستتر سالوں کے دوران جی بی میں کء انتظامی اصلاحات متعارف کرائے گئے جن میں انیس سو ستر کی دہائی میں گلگت بلتستان سے ایف سی آر کے نظام کا خاتمہ اور مشاورتی کونسل کا قیام، اسی کی دہائی میں مقامی حکومتوں کا قیام، نوے کی دہائی میں قانون ساز کونسل کا قیام اور پہلی دفعہ جماعتی بینادوں پر انتخابات اور سن دو ہزار کے بعد جی بی اسمبلی اور کونسل کا قیام شامل ہیں۔

مذکورہ تمام ادوار میں یہاں کا سیاسی وانتظامی نظم ونسق چلانے کے لئے وفاق کی طرف سے عارضی انتظامی آرڈرز جاری کئے جاتے رہے ہیں۔ تاہم اس علاقہ کو ذون ای قرار دے کر ضیاء کا مارشل لاء یہاں مکمل نافذ کیا گیا تھا۔ اس عرصہ کے دوران مقامی لوگوں نے آئینی حقوق اور گلگت بلتستان کو الگ صوبہ بنانے اور آئینی حقوق کے مطالبات کے ساتھ سیاسی تحریکیں چلائیں لیکن نہ تو اس علاقہ کو پاکستان کا صوبہ بنایا جاسکا اور نہ ہی آئینی حقوق کا قضیہ حل ہوسکا، تاہم یہاں کا نظم نسق چلانے کے لئے وفاق کی طرف سے مختلف ادوار میں ایل ایف او زاور گورننس آرڈرز کا اجراء کیا جاتا رہے۔ جس کی بنیادی وجہ اس علاقہ کا مسلہ کمشیر کا حصہ ہونے کے ساتھ متنازعہ حیثیت تھی۔ موجودہ وقت میں گلگت بلتستان میں انتظامی وسیاسی طور پر کم وبیش ایک صوبے کا ڈھانچہ تو موجود ہے مگر یہ سب آئین پاکستان میں درج نہ ہونے کی وجہ سے یہ ایک غیر آئینی صوبہ ہونے کے ساتھ محض ایک انتظامی یونٹ (کالونی) کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ ستر سالوں میں گلگت بلتستان میں انتظامی طور پر کچھ تبدیلیاں رونما ضرور ہوئی ہیں لیکن اس علاقہ کی سیاسی حیثیت میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہے۔ اس لئے گلگت بلتستان پارلیمنٹ آف پاکستان اور دیگر آئینی اداروں میں نمائندگی نہیں رکھتا اور نہ تو یہ پاکستان کے عدالتی نظام کے دائرہ میں شامل ہے۔ گلگت بلتستان کی موجودہ سیاسی حیثیت واضح طور پر یہ ہے کہ یہ علاقہ تنازعہ کشمیر کا حصہ ہے اور اقوام متحدہ کا کمیشن برائے انڈیا و پاکستان کی قراردادوں کی روشنی میں عارضی طور پر پاکستان کا ایک عبوری وفاقی انتظامی یونٹ ہے۔

اب آجکل اس انتظامی یونٹ کو عبوری آئینی صوبہ بنانے کی بات چل رہی ہے۔ عبوری کا لفظ اس کی سیاسی ومتنازعہ حیثیت کو ظاہر کرتا ہے۔ گویا اصل کہانی ہی عبوری کے لفظ میں چھپی ہوئی ہے۔

ماضی کی انتظامی وسیاسی اصلاحات کی طرح آنے والا پیکیج بھی عارضی ہی ہوگا مگر ماضی کی نسبت اس دفعہ اس پیکیج میں نیاء یہ ہے کہ اس علاقہ کو آئین پاکستان میں چند تبدیلیوں کی مدد سے قومی اسمبلی، سینٹ اور دیگر قومی پالیسی ساز اداروں میں نمائندگی دینے کے علاوہ سپریم کورٹ آف پاکستان کا دائرہ اختیار اس علاقہ تک بڑھایا جائیگا۔ جس پر ان دنوں زور وشور سے مشاورت جاری ہے۔ اگر آئین پاکستان میں تجویز کردہ ترامیم قومی اسمبلی اور سینٹ سے منظور ہوجاتی ہیں تو یہ علاقہ وفاقی انتظامی یونٹ کی بجائے آئندہ عبوری آئینی صوبہ کے نام سے لکھا اور پکارا جائیگا۔ لیکن لفظ عبوری کی وجہ سے اس کی خصوصی متنازعہ حیثیت بحال رہے گی۔ پارلیمنٹ آف پاکستان سے آئین پاکستان میں چند ترامیم کے بعد اس کو عبوری صوبہ بنائے جانے کے باوجود اس کی خصوصی حیثیت میں فرق نہیں آئے گا۔ خصوصی حیثیت میں تب تبدیلی آئے گی جب پاکستان اور بھارت اِدھر ہم اُدھر تم کے تحت اپنے اپنے زیر انتظام کشمیر کو مستقل اپنا حصہ بنائینگے اور تنازعہ کشمیر حل ہونے کا اعلان کرتے ہوئے دونوں ممالک مستقل سرحدوں کا تعین کرینگے۔ جو کہ فی الحال ہوتا ہوا نظر نہیں آتا اس لئے گلگت بلتستان میں جو بھی اصلاحات متعارف ہونگی وہ عبوری وعارضی طور پر ہونگی مستقل نہیں ہونگی۔

بنیادی بات سمجھنے کی یہ ہے کہ انڈیا اور پاکستان کی جو سرحد کشمیر اور گلگت بلتستان میں موجود ہے وہ مستقل سرحد نہیں ہے بلکہ عبوری اور عارضی سرحد ہے جس کو لائین آف کنٹرول کہا جاتا ہے جہاں دونوں ممالک کی افواج تعینات ہیں۔ نیز پاکستان اور چین کے درمیان بھی سرحد عارضی وعبوری ہے جو کہ ساٹھ کی دہائی میں طے ہونے والے پاک چین سرحدی معاہدہ میں درج ہے۔ ان سرحدات کا عبوری ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان اور انڈیا دونوں کے درمیان کشمیر بشمول گلگت بلتستان متنازعہ ہیں۔ بھارت نے کمشیر کے اوپر اپنے موقف کو تقویت دینے کے لئے اپنے زیر انتظام کشمیر کو اپنے آئین کا حصہ بنا دیا ہے جبکہ پاکستان کے زیر اانتظام کشمیر کو بھی وہ اپنا حصہ کہتا ہے۔ پاکستان کا موقف یہ ہے کہ کمشیر پاکستان اور بھارت کے درمیان متنازعہ ہے اس لئے اس مسلہ کو اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق حل کیا جانا چاہیے۔ پاکستان کے موقف کی روشنی میں جب تک کشمیر کا تنازعہ موجودہ رہے گا یہاں ہر معاملہ عبوری وعارضی ہے اس لئے موجودہ پیکیج کو ماضی کی طرح عبوری وعارضی سمجھا، لکھا اور بولا جائیگا۔ تاہم ان عبوری اصلاحات کے فوائد یا نقصانات پر تفصیلی بات ہوسکتی ہے کیونکہ یہ بات تو طے ہے کہ عام آدمی کی زندگی میں ان اصلاحات کے کوئی خاطر خواہ مثبت اثرات پڑنے کے امکانات بہت کم ہیں کیونکہ بظاہر یہ عالمی اداروں سے قرضہ لینے کے لئے ایک کاغذی کارروائی معلوم ہوتی ہے جو کہ عبوری کا لاحقہ لگنے کے بعد شاید کسی خاص کام کی نہیں ہوگی . عبوری صوبہ کا ایک مثبت پہلو جو موجودہ وفاقی وصوبائی حکومت کی طرف سے بتایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ گلگت بلتستان ستتر سالوں سے پاکستان کے زیر انتظام ہے مگر پالیسی ساز اداروں میں نمائندگی کے بغیر یہ رشتہ چل رہا ہے اب پالیسی ساز اداروں میں نمائندگی سے یہاں کی سیاسی محرومیاں یکسر ختم ہو جائینگی، جبکہ مقامی قوم پرست جماعتوں کا کہنا ہے کہ عبوری آئینی صوبہ بنانے کی آڑ میں یہاں کی خصوصی حیثیت کی بنیاد پر ملنے والے فنڈز اور سبسڈیز ختم کی جائینگی، ڈیموگرافی تبدیل کی جائے گی، وفاق کا شکنجہ مزید سخت کیا جائے گا اور قدرتی وسائل کی لوٹ مار پہلے کی نسبت زیادہ تیز ہوجائے گی جس سے یہاں کی محرومیوں میں مزید کء گنا اضافہ ہوجائے گا۔

یہ تمام باتیں کتنی غلط ہیں یا کتنی درست یہ تو آنے والا وقت بتائے گا تاہم وفاق کے لئے گلگت بلتستان کی سیاسی حیثیت کو مستقل بنیادوں پر تبدیل کرنا اتنا آسان کام نہیں ہے جتنا بتایا جاتا ہے۔ اس لئے ارباب اختیار نے متنازعہ کے ساتھ "عبوری" کے لاحقہ سے فی الحال جیسے تیسے گزارہ چلانے کی ٹھان لی ہے۔

کوئلہ کی کان میں دھماکہ سے 2 مزدور جاں بحق، 4 زخمی

درہ آدم خیل کوہاٹ کے قبائلی سب ڈویژن درہ آدم خیل میں کوئلے کی ایک کان میں مبینہ طور پر گیس بھر جانے کے نتیجے میں ہونے والے دھماکے میں 6 کان کن جھلس کر شدید زخمی ہوگئے جن میں دو زخموں کی تاب نہ لاکر دم توڑ گئے جبکہ تیسرے کی حالت نازک بتائی جاتی ہے۔ اطلاعات کے مطابق گزشتہ روز درہ آدم خیل کے علاقے آخوروال میں واقع الفردوس کول کمپنی کے کوئلے کی کان نمبر 4 میں کام کے دوران مبینہ طور پر گیس بھر جانے کے نتیجے میں آگ لگ کر دھماکہ ہوجانے کی وجہ سے 6 کان کن جھلس کر شدید زخمی ہوگئے۔ واقعہ کی اطلاع ملتے ہی مقامی افراد نے فوری طور پر تمام زخمیوں کو برن سینٹر حیات آباد پشاور منتقل کر دیا جہاں سے انہیں تشویشناک حالت میں پمز ہسپتال اسلام آباد منتقل کر دیا گیا۔ اطلاعات کے مطابق بعدازاں دو کان کن خورشید عالم اور شاکر اللہ زخموں کی تاب نہ لاکر جاں کی بازی ہار گئے جبکہ تیسرے کی حالت بھی نازک بتائی جاتی ہے۔ ذرائع کے مطابق تین زخمیوں کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ جاں بحق اور زخمی تمام کان کن ضلع شانگلہ کے رہائشی بتائے جاتے ہیں۔ دریں اثناء درہ آدم خیل کول مائنز لیبر یونین نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ یہ پہلا واقعہ نہیں ہے بلکہ اس سے بھی کئی بڑے واقعات رونما ہوئے ہیں۔ لیبر یونین نے حادثہ کی شفاف انکوائری کرنے اور غفلت برتنے والوں کو قانون کے کٹہرے میں کھڑا کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔

(مسعود شاہ)

نادرا میں سہولیات کے فقدان سے عوام کو مشکلات کا سامنا

چمن نادرا کے دفتر میں انٹرنیٹ سروس میں خرابی کے باعث سینکڑوں سائلین کو پریشانی کا سامنا ہے۔ چمن کے شہریوں عبدالجبار اچکزئی، سمیع اللہ کاکوزئی اور دیگر شہریوں نے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے ضلعی کوآرڈینیٹر کو بتایا کہ نادرا کے دفتر میں گزشتہ دو ہفتوں سے سست رفتار انٹرنیٹ دفتری عملے اور عوام دونوں کیلئے دردسر بن گیا۔ انٹرنیٹ کی خرابی کے باعث دن میں 100 ٹوکن کے بجائے صرف 10 ٹوکن بمشکل کاٹے جاتے ہیں۔ شہریوں نے چیئرمین نادرا سے مسئلے کا فوری طور پر نوٹس لینے کا مطالبہ کیا ہے۔

(محمد صدیق)

تین بھائیوں کے قتل میں ملوث پولیس اہلکاروں کو گرفتار کرنے کا مطالبہ

خیدر آباد ٹنڈو باگو میں تالپور برادری سے تعلق رکھنے والے تین نوجوان بھائیوں کے قتل میں ملوث پولیس اہلکاروں کو گرفتار نہ کئے جانے کے خلاف تالپور یونائیٹڈ فورم کی جانب سے میر بالاچ تالپور، میر محبوب تالپور، اور میر سہراب تالپور کی قیادت میں حیدرآباد پریس کلب کے سامنے احتجاجی مظاہرہ کر کے نعرے بازی کی گئی، اس موقع پر انہوں نے الزام عائد کرتے ہوئے بتایا کہ گزشتہ 20 جنوری کو ٹنڈو باگو میں پولیس نے ناحق تین نوجوان بھائیوں وسیم تالپور، محمد صدیق تالپور، اور میر غلام محمد تالپور کو بے دردی سے قتل کر دیا تھا جس کے بعد ملزمان پولیس اہلکاروں ایس ایچ او بشیر چانڈیو اور دیگر کے خلاف کیس درج کرایا گیا ہے لیکن پولیس اپنے پیٹی بھائیوں کو بچانے کے لئے انہیں گرفتار نہیں کر رہی جبکہ قتل میں ملوث پولیس اہلکار خود کو بچانے کے لئے مقتول بھائیوں کے ورثاء پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انہوں نے چیف جسٹس سندھ ہائیکورٹ سے اپیل کی کہ بے گناہ قتل ہونے والے تین نوجوان بھائیوں کے قتل کے واقعے کا ازخود نوٹس لے کر ملزمان کو قانون کے کٹہرے میں لایا جائے اور مقتول بھائیوں کے ورثاء سے انصاف کیا جائے۔

(لالہ عبدالحلیم)

ہسپتال میں مسائل کا انبار

چمن سول ہسپتال قلعہ عبداللہ میں مسائل کا انبار لگ گیا ہے۔ انچارج میڈیکل آفیسر کی غفلت اور لاپرواہی نے لوگوں کو علاج معالجے سے مایوس کر دیا ہے۔ ہسپتال دن 12 بجے کے بعد اکثر اوقات بند ہوتا ہے۔ نیاز محمد نے بتایا کہ سول ہسپتال قلعہ عبداللہ انچارج میڈیکل آفیسر اور دیگر ڈیوٹی ڈاکٹروں کی غفلت اور لاپرواہی سے مسائل کی آماجگاہ بن کر رہ گیا ہے۔ میڈیکل آفیسر ہسپتال میں ڈیوٹی سے غائب رہتے ہیں۔ ادارے کی بہتری اور مریضوں کو علاج معالجے کی بہتری کے لئے کوئی خاطر خواہ اقدامات نہیں اٹھائے گئے۔ مریضوں کیلئے آنے والی ادویات کا کوٹہ کم ہے۔ مریض ڈاکٹروں کی غیر حاضری کی وجہ سے مایوس ہوکر واپس چلے جاتے ہیں اور پرائیویٹ کلینکوں سے علاج کرانے پر مجبور ہیں۔ اہلیان قلعہ عبداللہ نے ادارے کے مسائل کے حل کیلئے بارہا حکام بالا کو شکایات کی ہے مگر بدقسمتی سے اب تک کوئی سنجیدہ اقدامات نہیں اٹھائے گئے۔ حالانکہ کچھ عرصہ قبل افغان قومی موومنٹ نے جائز مطالبات کے حق میں ہسپتال کے باہر بھوک ہڑتالی کیمپ بھی لگایا تھا۔ بعدازاں ڈائریکٹر جنرل ہیلتھ کی یقین دہانی پر احتجاج ختم کر دیا گیا تھا مگر مسائل اب تک جوں کے توں ہیں۔

(محمد صدیق)

بلوچ طالبعلم کی جبری گمشدگی کے خلاف احتجاج مظاہرہ

اسلام آباد بلوچ طالبعلم کی جبری گمشدگی اور ایک بلوچ طالبعلم کے ماورائے عدالت قتل کے خلاف بلوچ سٹوڈنٹس کونسل کے زیر اہتمام اسلام آباد میں احتجاجی مظاہرہ کیا گیا ہے۔ یہ احتجاجی مظاہرہ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں بی ایس بائیوٹیکنالوجی کے طالبعلم احتشام بلوچ کے ماورائے عدالت قتل اور قائداعظم یونیورسٹی میں ایم فل کے سٹوڈنٹ حفیظ بلوچ کی جبری گمشدگی کے خلاف منعقد کیا گیا تھا۔ احتشام بلوچ کی 3 فروری کو مسخ شدہ لاش برآمد ہوئی تھی۔ مظاہرین کا کہنا تھا کہ احتشام پہلے سمسٹر کے اختتام کے بعد چھٹیوں پر آبائی گاؤں پنجگور گیا تھا، جہاں سے اسے لاپتہ کیا گیا اور چند گھنٹوں بعد اسکی مسخ شدہ لاش چٹکان بازار سے برآمد ہوئی۔ مظاہرین احتشام بلوچ کے قاتلوں کو گرفتار کرنے اور اس کے ورثا کو انصاف فراہم کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ مظاہرین کا کہنا تھا کہ قائداعظم یونیورسٹی میں ایم فل فزکس کے طالبعلم حفیظ بلوچ کو 8 فروری کو اس وقت لاپتہ کیا گیا جب وہ خضدار کی ایک اکیڈمی میں اپنی کلاس لے رہے تھے۔ مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے حفیظ بلوچ کے ایک روم میٹ کا کہنا تھا کہ حفیظ بلوچ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے لوگوں کی خدمت کرنا چاہتا تھا۔ انکا کہنا تھا کہ حکومت نے ہمیشہ بلوچستان کو تعلیم کیلئے خصوصی ترجیح دینے کا نعرہ لگایا ہے لیکن اب پڑھے لکھے افراد کی جبری گمشدگیوں کا سلسلہ جاری ہے۔ مظاہرین نے مطالبہ کیا کہ حفیظ بلوچ کو فی الفور بازیاب کیا جائے اور احتشام بلوچ کے قاتلوں کو انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے۔ اسلام آباد میں ہونے والے بلوچ سٹوڈنٹس کونسل کے اس احتجاجی مظاہرہ کی کسی بھی سطح کے قومی اور مقامی میڈیا پر کوئی کوریج نہیں کی گئی۔

(بشکریہ روزنامہ جدوجہد)

اٹھا کر لاپتہ کر دیا گیا

پنجگور کے ممتاز سماجی رہنما اور انسانی حقوق کی پامالیوں پر آواز اٹھانے والے ملک میران بلوچ گزشتہ دو دنوں سے جبری طور پر لاپتہ کر دیئے گئے ہیں۔

تمام متعلقہ حلقوں سے ملک میران کی بحفاظت رہائی کے لیے کردار ادا کرنے کی اپیل کی جاتی ہے۔

(فاروق کہدانی)

سکول اساتذہ کو مستقل کیا جائے

چمن: بلوچستان کمیونٹی سکولز اساتذہ مستقل ہونے کی امید میں ہیں اور حکومت جان بوجھ کر کمیونٹی اساتذہ کو احتجاج کرنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ بلوچستان کمیونٹی سکولز اساتذہ کو مستقل کیا جائے ضلعی صدر غفار کاکڑ اور جنرل سیکرٹری اختر شاہ جوگیزئی نے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے ضلعی کوآرڈینیٹر محمد صدیق مدنی کو بتایا کہ بلوچستان کمیونٹی سکولز اساتذہ 2007 سے کنٹریکٹ پر کام کر رہے ہیں ان اساتذہ کی بدولت اج بلوچستان کے پینسٹھ ہزار بچے اور بچیاں زیر تعلیم ہے 950 کمیونٹی سکولز اساتذہ بہت قلیل تنخواہوں پر کام کر رہے ہیں 2019 میں بلوچستان اسمبلی سے کمیونٹی سکولز اساتذہ کے مستقلی کے حق میں قرارداد بھی منظور ہو چکا ہے تین سال گزرنے کے باوجود کوئی عمل درامد نظر نہیں ارہا ہے حکومت بلوچستان جان بوجھ کر کے کمیونٹی سکولز اساتذہ کو احتجاج کرنے پر مجبور کر رہے ہیں گزشتہ روز جعفرابادا اور نصیرابادکے کمیونٹی سکولز اساتذہ نے پرامن احتجاج کیا اگر حکومت نے 21 فروری سے پہلے ہمارے مطالبات تسلیم نہیں کیا گیا تو ہم پورے بلوچستان کے 950 اساتذہ سکولوں کو تالہ بندی کر کے وزیراعلی ہاوس کے سامنے تاریخی دھرنا دینگے جس کے تمام تر ذمہ داریاں حکومت وقت اور متعلقہ اداروں پر ہوگا۔

(محمد صدیق)

پیپلز میڈیکل یونیورسٹی کی طالبہ پروین بلوچ پر تشدد و ہراسانی کا معاملہ

نواب شاہ پیپلز میڈیکل ہیلتھ اینڈ سائنسز یونیورسٹی فار وومین نواب شاہ کی ہاؤس جاب آفیسر ڈاکٹر پروین بلوچ کی مبینہ طور ہراسانی اور تشدد سے متعلق بیان پر مشتمل ویڈیو وائرل ہوئی جس میں ڈاکٹر پروین نے بتایا کہ پیپلز یونیورسٹی آف میڈیکل اینڈ ہیلتھ سائنسز برائے خواتین کے 3 اہلکاروں نے اپنے غیر اخلاقی مطالبات نہ ماننے پر انہیں مار مار کر قتل کرنے کی کوشش کی اور سنگین نوعیت کے نتائج کی دھمکیاں دیں

ڈان اخبار کی رپورٹ کے مطابق ہاؤس افسر کا دعویٰ ہے کہ آج تک ایم بی بی ایس کی کسی طالبہ نے کبھی خودکشی نہیں کی بلکہ سب کو قتل کیا گیا ہے۔ اس دعویٰ کے بعد پیپلز میڈیکل یونیورسٹی نواب شاہ کی انتظامی ذمہ داران پر کئی اہم نوعیت کے سوالات اٹھنے لگے۔

دادو کی رہائشی پروین بلوچ میڈیکل یونیورسٹی کے نرسنگ سیکشن میں ہاؤس جاب کرتی ہیں، انہوں نے سوشل میڈیا پر اپ لوڈ کی گئی ایک ویڈیو میں دعویٰ کیا کہ تینوں اہلکاروں نے انہیں ہاسٹل کے کمرے میں بند کر کے بہیمانہ طریقوں سے مارا پیٹا۔ اور سنگین نوعیت کے نتائج کی دھمکیاں دیں۔

اس ضمن میں ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان سمیت سول سوسائٹی کے نمائندوں نے پریس کلب نواب شاہ کے باہر احتجاج پر بیٹھی متاثرہ خاتون سے ملاقات کی۔ ڈاکٹر پروین نے اپنے بازوؤں پر تشدد کے نشانات دکھائے اور کہا کہ مذکورہ اہلکار انہیں اپنے غیر اخلاقی مطالبات ماننے پر مجبور کر رہے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ تینوں اہلکار یونیورسٹی میں ایم بی بی ایس کے پہلے سال سے ہی انہیں ہراساں کر رہے تھے۔ ان اہلکاروں نے انہیں پہلے قتل کی گئی دوسری لڑکیوں کی طرح مارنے کی کوشش کی۔

پروین رند نے بتایا کہ اس سے قبل ان تینوں نے اپنے مطالبات منوانے میں ناکامی پر انہیں بلیک میل کرنے کے لیے ان کا موبائل فون چھیننے کی کوشش بھی کی تھی۔

ڈاکٹر پروین کا دعویٰ ہے کہ ہاسٹل میں کسی طالبہ نے خودکشی نہیں کی، بلکہ ان سب ہی کو قتل کیا گیا تھا۔ وہ مبینہ طور پر ڈاکٹر نمرتا اور ڈاکٹر نوشین کاظمی کی چانڈکا میڈیکل کالج لاڑکانہ میں ان کی ہاسٹل کے کمروں میں پراسرار ہلاکت، سندھ یونیورسٹی کے ہاسٹل کے کمرے میں نائلہ رند کی موت اور ڈاکٹر عصمت راجپوت کی سیتا روڈ ٹاؤن میں اپنے گھر میں 'خودکشی' کا حوالہ دے رہی تھیں۔

پروین رند کا کہنا تھا کہ انہوں نے کافی تکالیف برداشت کی ہیں لیکن اب وہ اپنی جان اور عزت کے تحفظ کے لیے کوشاں ہیں۔ پروین بلوچ کا دعویٰ ہے کہ درحقیقت یونیورسٹی کے ہاسٹل میں کوئی لڑکی محفوظ نہیں ہے۔ اس بات کی شکایت میں نے بالمشافہ ملاقات کر کے سندھ کی وزیر صحت ڈاکٹر عذرا پیچوہو سے کی اور ان سے انصاف اور تحفظ فراہم کرنے کا مطالبہ کیا لیکن انہوں نے ان کے لیے کچھ نہیں کیا۔

پروین بلوچ کے الزامات اور مبینہ تشدد اور دھمکیوں کے ذریعے ہراساں کرنے کیخلاف تھانہ اے سیکشن پولیس سے رابطہ کیا گیا۔

ایس ایس پی شہید بینظیر آباد امیر سعود مگسی نے بتایا ہے کہ متاثرہ خاتون ڈاکٹر پروین بلوچ کے بیان کی روشنی میں سٹی ڈی ایس پی سلطان چانڈیو اور خواتین تھانے کے ایس ایچ او کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جو لڑکی کے دعووں کی تحقیقات کر کے 3 دن میں رپورٹ پیش کرے گی جس کے بعد پولیس باضابطہ قانونی کارروائی کرے گی۔ یونیورسٹی کے رجسٹرار نے ایک پریس ریلیز میں پروین رند کے بیان کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔

رجسٹرار نے کہا کہ ان کے الزامات بے بنیاد ہیں کیونکہ یونیورسٹی انتظامیہ طلبہ اور ہاؤس افسران کو تفویض کمرے تبدیل کرنا چاہتی تھی لیکن پروین رند نے دوسرے کمرے میں منتقل ہونے سے انکار کر دیا۔

پروین رند کے چچا علی نواز رند نے رجسٹرار کے بیان کو مسترد کیا ہے، انہوں نے کہا کہ پروین نے جن 3 اہلکاروں کے نام اپنی ویڈیو میں لیے انہوں نے اپنے مطالبات نہ ماننے پر پروین کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ علی نواز رند نے تینوں اہلکاروں کے خلاف ایف آئی آر درج کرنے کا مطالبہ کیا۔

تاہم پولیس کی جانب سے بنائی کمیٹی کی جانب سے رپورٹ آنے کے بعد مورخہ 10 فروری 2022 کو تھانہ وومین پولیس نے ملزم غلام مصطفے راجپوت۔ ہاسٹل وارڈن فرحین اور عاطقہ کے تحت مقدمہ درج کر لیا ہے جبکہ پیپلز میڈیکل یونیورسٹی کی انتظامیہ نے تینوں نامزد اہلکاروں کو معطل کر دیا ہے

(آصف البشر)

میاں بیوی کا اندوہناک قتل

مستونگ مستونگ کے نواحی علاقے کلی کونگڑھ میں رات گئے قتل کی لرزہ خیز واردات، مسلح افراد میاں بیوی کو قتل کر کے فرار ہوگئے۔ تفصلات کے مطابق مسلح افراد نے کلی کونگڑھ میں رہائش پذیر سندھ کے علاقہ شہید بے نظیر آباد علاقے کے رہائشی میاں بیوی کو گزشتہ رات گئے گھر میں پلانگ کر تیز دھار آلیسے زبح کر کیقتل کر دیا اور موقع واردات سے فرار ہوگئے پولیس کے مطابق مقتولین نے چند سال قبل پسند کی شادی کیا تھا، آج صبح اطلاع ملنے پر ایس ایچ او سٹی تھانہ محمد یونس محمد شہی پولیس کے بھاری نفری کے ہمراہ موقع پر پہنچ کر لاشوں کو ڈی ایچ کیو ہسپتال منتقل کر دیا، مقتولین کے دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے، مقتولین کی شناخت ندیم اور مسماۃ (ز) سے ہوئی ہے سٹی پولیس نے ملزمان کی تلاش شروع کر دیا مزید تحقیقات جاری۔

(فرید شاہوانی)

نرسز کا ایم ایس کیخلاف احتجاج جاری

کرک تمام اضلاع کی نرسز کا کرک کی نرسز کیساتھ اظہار یکجہتی اور اگلے لائحہ عمل کے لیے کرک ڈی۔ایچ۔کیو ہسپتال کے سامنے پرامن اجتماع ہوا جس میں حکام کو حقائق سے آگا کیا گیا۔مجمع کا کہنا تھا کہ وہ کسی صورت مافیا کے سامنے ہار نہیں مانیں گے اور حکومت کو اصل حقائق سے باخبر کرنا ہوگا۔تمام اضلاع کے متعلقہ فریقین سے مشاورت کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ کل سے تمام ہسپتالوں میں کرک نرسز کیساتھ یکجہتی, ان کی سپورٹ اور نرسنگ کیڈر کیساتھ سوتیلی ماں جیسا سلوک کے خلاف نرسز ہاتھوں پر سیاہ پٹیاں باندھ کر خدمات سرانجام دیں گی۔مزید براں، کرک نرسز اور ملازمین کا پرامن دھرنا جاری رہے گا۔16 فروری کو ہیلتھ ڈائریکٹریٹ کے سامنے تمام خیبر پختونخواہ سے ہزاروں نرسز کا جلسہ ہوگا، جس کو دھرنے میں تبدیل کیا جائے گا جس میں تمام حقائق قوم اور حکومت کے سامنے رکھے جائیں گے۔احتجاجی نرسوں نے قانون وآئین کے تحت اپنے حقوق کے تحفظ کا مطالبہ کیا ہے۔

(ترجمان ینگ نرسز ایسوسی ایشن خیبر پختونخواہ)

(لالہ عبدالحلیم شیخ)

قاتلوں کی گرفتاری نہ کرنے پر تربت پولیس کے خلاف احتجاجی ریلی اور دھرنا

نوشہروفیروز 18 جنوری 2022 کو جسٹس فار شاہین شاہین کمیٹی اور فیملی کی طرف سے تربت میں ایک احتجاجی ریلی نکالی گی جس میں HRCP ریجنل آفس تربت مکران، حق دو تحریک ضلع کیچ، بی ایس او، اور بی ایس او پجار سمیت مختلف تنظیموں اور طبقات کے لوگ شامل تھے۔ بلوچستان یونیورسٹی کی گولڈ مڈلسٹ آرٹسٹ شاہینہ شاہین کے نامزد قاتل محراب امان کو ڈیڈھ سال سے گرفتار نہ کرنے کیخلاف پریس کلب تربت کے سامنے سے تا ڈی پی او کیچ کے دفتر کے سامنے تک احتجاجی ریلی نکالی گئی، ڈی پی او کیچ کے آفس کے سامنے گھنٹوں تک احتجاجی دھرنا دیا گیا۔ ریلی اور دھرنا میں خواتین اور بچے بھی شریک تھیں۔ دھرنا کے شرکاء سے ایچ آرسی پی ریجنل آفس تربت مکران کے کوارڈینیٹر غنی پرواز، بی ایس او کے سابق چیئرمین ظریف رند، سیاسی وسماجی کارکن میران حیات، بی ایس او پجار کے مرکزی کمیٹی کے رکن نوید تاج، اور زونل رہنما باھوٹ بلوچ، بی ایس او تربت زون کے صدر بالاچ بلوچ، حق دو تحریک کے رہنما وسیم سفر اور جسٹس فار شاہینہ شاہین کمیٹی کے کنونیئر معصومہ شاہین نے خطاب کیا۔ جبکہ اسٹیج سیکرٹری کی ذمہ داری بی ایس او تربت زون کے رہنما عقیل جلال نے سرانجام دی۔ جسٹس فار شاہینہ شاہین کمیٹی اور دھرنے میں شریک دیگر تنظیموں کے نمائندگان اور DPO کیچ کے درمیان انکے کے آفس میں کامیاب مزاکرات اور تحریری یقین دہانی کے بعد دھرنا ملطوی کرنیکا اعلان کرتے ہوئیمعصومہ شاہین نے کہا کہ اگر اس زبانی وتحریری یقین دہانی کے باوجود ایف آئی آر میں نامزد قاتل محراب امان کی گرفتاری عمل میں نہیں لائیگی تو سخت احتجاجی لائحہ عمل کا اعلان کرینگے۔

(وقار قیوم)

نابینا حافظ محمد شریف کا اپنی زرعی زمین پر قبضہ کے خلاف احتجاجی مظاہرہ

نوشہروفیروز تفصیلات کے مطابق نواحی گاؤں بچل پھل کے رہائشی ستر سالہ معزور نابینا حافظ محمد شریف پھل۔ نے پریس کلب پھل کے سامنے احتجاجی مظاہرہ کرتے ہوئے میڈیا کو بتایا کہ گاؤں میں میری ایک ایکڑ زرعی زمین ہے جو مینے اپنے ہاری گلزار پھل کو دے رکھی تھی مگر گلزار پھل زمین کی دیکھ بھال صحیح طور پر نہیں کر رہا تھا میں زمین کے لئے کھاد ویگرا لے کر دیتا تو وہ بازار میں فروخت کر دیتا تھا مینے زمین پر ٹریکٹر بھیجا تو گلزار پھل نے واپس کر دیا اور کہا کہ اب یہ زمین میری ہے، اور خود قبضہ کر کے بیٹھ گیا ہے میں معزور ضعیف نابینا شخص ہوں مینے واقع کی این سی پھل تھانہ پر کی مگر پولیس کوئی کاروائی نہیں کر رہی ہے۔

میرے ساتھ ظلم اور ناانصافی کی جارہی ہے، انہوں نے آئی جی سندھ ڈی آئی جی شہید بے نظیر آباد ایس ایس نوشہروفیروز سے مطالبہ کیا ہے کہ میری زمین سے قبضہ ختم کرایا جائے اور مزکورہ شخص کے خلاف قانونی کاروائی کی جائے۔

(الطاف حسین قاسمی)

مغوری ہندو لڑکے کی تشدد شدہ نعش برآمد

سکھر شہر کے ڈوالفن ٹاور کے رہائشی 8 سالہ ہندو لڑکا جشپال ولد جئہ کمار کو اپنے ہی کزن اویناش نے اغوا کر کے ضلع شکارپور کے علاقع لکھی غلام شاہ تھانہ کی حدود میں تشدد کر کے نعش پھینک دی۔ پولیس کو اطلاع ملتے ہی نعش کا تعلقہ اسپتال لکھی غلام شاہ سے پوسٹ مارٹم کروا کے ورثاء کے حوالے کر دی جب کہ سی سیکشن تھانہ سکھر میں ملزم اویناش کو گرفتار کر لیا ہے جس نے قتل کرنیکا اعتراف بھی کیا ہے پولیس اور بچے کو تب شک ہوا کہ ملزم نے بچے کو دو دن پہلے ٹاور سے لیجا رہا تھا اور واپس اکیلا آیا تھا یہ سب کچھ سی سی ٹی وی پے دیکھا گیا تھا۔

(شاکر جمالی)

انسانی حقوق کے عالمی دن

جنوری

27 جنوری ہولوکاسٹ کے متاثرین کی یاد میں دعائیہ تقریب کا عالمی دن

فروری

4 فروری کینسر کا عالمی دن
6 فروری خواتین کے تولیدی اعضاء کو کاٹنے کی ممانعت کا عالمی دن
13 فروری ریڈیو کا عالمی دن (یونیسکو)
20 فروری سماجی انصاف کا عالمی دن
21 فروری مادری زبان کا عالمی دن (یونیسکو)

مارچ

یکم مارچ امتیاز کے خاتمے کا دن (یو این ایڈز)
3 مارچ جنگلی حیات کا عالمی دن
8 مارچ خواتین کا عالمی دن
20 مارچ خوشی کا عالمی دن
21 مارچ نسلی امتیاز کے خاتمے کا عالمی دن
21 مارچ شاعری کا عالمی دن (یونیسکو)
21 مارچ نوروز کا عالمی دن
21 مارچ پیدائشی ذہنی معذوری کا عالمی دن
21 مارچ جنگلات اور درخت کا عالمی دن
22 مارچ پانی کا عالمی دن
23 مارچ موسمیات کا عالمی دن (ڈبلیو ایم او)
24 مارچ تپ دق کا عالمی دن
24 مارچ انسانی حقوق کی کھلی خلاف ورزیوں سے متعلق حقائق کو جاننے کے حق اور متاثرین کی عزت نفس کا عالمی دن
25 مارچ غلامی اور غلاموں کی سمندر پار تجارت کے متاثرین کی یاد منانے کا عالمی دن
25 مارچ عملے کے زیر حراست اور لاپتہ اراکین سے اظہار یکجہتی کا عالمی دن

اپریل

2 اپریل خود فکری سے آگاہی کا عالمی دن
4 اپریل کانوں سے متعلق آگاہی اور کانوں سے متعلقہ کارروائیوں میں معاونت کا عالمی دن
6 اپریل ترقی اور امن کے لیے کھیل کا عالمی دن
7 اپریل روانڈا کے قتل عام کے متاثرین کی یاد منانے کا عالمی دن
7 اپریل صحت کا عالمی دن (ڈبلیو ایچ او)
12 اپریل خلا میں انسانی پرواز کا عالمی دن
22 اپریل مادر ارض کا عالمی دن
23 اپریل کتاب اور حق اشاعت کا عالمی دن
23 اپریل انگریزی زبان کا عالمی دن
25 اپریل ملیریا کا عالمی دن۔ (ڈبلیو ایچ او)
26 اپریل ایجاد کے حقوق کا عالمی دن (وپیو)
28 اپریل دوران ملازمت سلامتی اور صحت کا عالمی دن
29 اپریل کیمیائی جنگ کے تمام متاثرین کی یاد منانے کا عالمی دن
30 اپریل جاز (موسیقی) کا عالمی دن

مئی

3 مئی آزادی صحافت کا عالمی دن
8-9 مئی دوسری جنگ عظیم میں جاں بحق ہونے والے افراد کو یاد کرنے اور ان سے یکجہتی کا دن
10-11 مئی نقل مکانی کرنے والے پرندوں کا عالمی دن (یو این ای پی)
13 مئی ''ویساک'' پورے چاند کا عالمی دن
15 مئی کنبوں کا عالمی دن
17 مئی ٹیلی مواصلات اور معلوماتی اداروں کا عالمی دن (آئی ٹی یو)
21 مئی بحث مباحث اور ترقی کے لیے ثقافتی تنوع کا عالمی دن
22 مئی حیاتیاتی تنوع کا عالمی دن
23 مئی زچگی کے دوران پیدا ہونے والے گھاؤ کے خاتمے کا عالمی دن
29 مئی اقوام متحدہ کے امن فوجی دستوں کا عالمی دن
31 مئی تمباکو نوشی کی ممانعت کا عالمی دن

جون

یکم جون والدین کا عالمی دن
4 جون جارحیت سے متاثرہ معصوم بچوں کا عالمی دن
5 جون ماحول کا عالمی دن (یو این ای پی)
8 جون سمندروں کا عالمی دن
12 جون چائلڈ لیبر کے خلاف عالمی دن
14 جون خون کا عطیہ دینے والوں کا عالمی دن (ڈبلیو ایچ او)
15 جون بزرگوں سے ناروا سلوک سے آگاہی کا عالمی دن
17 جون زمین کے صحرائی ہونے اور خشک سالی پر قابو پانے کا عالمی دن
20 جون مہاجرین کا عالمی دن
23 جون اقوام متحدہ کا خدمات عامہ کا دن
23 جون بیواؤں کا عالمی دن
25 جون ملاحوں کا عالمی دن (آئی ایم او)
26 جون ادویات کے غلط استعمال اور غیر قانونی نقل وحمل کے خلاف عالمی دن
26 جون تشدد کے متاثرین کی حمایت میں اقوام متحدہ کا عالمی دن

جولائی

5 جولائی تعاون کنندگان کا عالمی دن (جولائی کا پہلا ہفتہ)
11 جولائی آبادی کا عالمی دن
18 جولائی نیلسن منڈیلا کا عالمی دن
28 جولائی ہیپاٹائٹس کا عالمی دن (ڈبلیو ایچ او)
30 جولائی دوستی کا عالمی دن
30 جولائی انسانی سمگلنگ کے خلاف عالمی دن

اگست

9 اگست دنیا بھر کے مقامی افراد کا عالمی دن
12 اگست نوجوانوں کا عالمی دن
19 اگست انسانیت پسندی کا عالمی دن
23 اگست غلاموں کی تجارت کی یاد آوری اور اس کے خاتمے کا عالمی دن (یونیسکو)
29 اگست جوہری تجربات کے خلاف عالمی دن
30 اگست جبری گمشدگیوں کے متاثرین کا عالمی دن

ستمبر

5 ستمبر خیرات کا عالمی دن
8 ستمبر خواندگی کا عالمی دن (یونیسکو)
12 ستمبر اقوام متحدہ کا جنوب۔جنوب اشتراک کا دن
15 ستمبر جمہوریت کا عالمی دن
16 ستمبر اوزون کی تہہ کے تحفظ کا عالمی دن
21 ستمبر امن کا عالمی دن
25 ستمبر ساحلی علاقوں کا عالمی دن (ستمبر کا آخری ہفتہ)
26 ستمبر جوہری ہتھیاروں کے مکمل خاتمے کا عالمی دن
27 ستمبر سیاحت کا عالمی دن (یو این ڈبلیو ٹی او)

اکتوبر

یکم اکتوبر معمر افراد کا عالمی دن
2 اکتوبر عدم تشدد کا عالمی دن
5 اکتوبر اساتذہ کا عالمی دن (یونیسکو)
6 اکتوبر جائے پیدائش کا عالمی دن (اکتوبر کا پہلا سوموار)
9 اکتوبر ڈاک کا عالمی دن
11 اکتوبر بچیوں کا عالمی دن
13 اکتوبر آفات میں کمی کا عالمی دن
15 اکتوبر دیہی خواتین کا عالمی دن
16 اکتوبر خوراک کا عالمی دن (ایف اے او)
17 اکتوبر غربت کے خاتمے کا عالمی دن
24 اکتوبر اقوام متحدہ کا دن
24 اکتوبر ترقی سے متعلق معلومات کا عالمی دن
27 اکتوبر سماعتی و بصری ورثے کا عالمی دن (یونیسکو)

نومبر

2 نومبر صحافیوں کے خلاف جرائم کے حوالے سے سزا سے استثنیٰ کے خاتمے کا عالمی دن
6 نومبر جنگ اور مسلح تنازعات کے دوران ماحول کو نقصان پہنچانے کی ممانعت کا عالمی دن
10 نومبر امن اور ترقی کے لیے سائنس کا عالمی دن
14 نومبر ذیابیطس کا عالمی دن
16 نومبر رواداری کا عالمی دن
16 نومبر ٹریفک حادثات کے متاثرین کی یاد منانے کا عالمی دن (نومبر کا تیسرا اتوار)
19 نومبر بیت الخلاء کا عالمی دن
20 نومبر بچوں کا عالمی دن
20 نومبر فلسطے کا عالمی دن (نومبر کی تیسری جمعرات)
21 نومبر ٹیلی ویژن کا عالمی دن
22 نومبر صنعت کاری کا عالمی دن
25 نومبر خواتین کے خلاف تشدد کے خاتمے کا عالمی دن
29 نومبر فلسطینی عوام سے اظہار یکجہتی کا عالمی دن

دسمبر

یکم دسمبر ایڈز کا عالمی دن
2 دسمبر غلامی کے خاتمے کا عالمی دن
3 دسمبر معذور افراد کا عالمی دن
5 دسمبر معاشی اور سماجی ترقی کے لیے رضا کاروں کا عالمی دن
5 دسمبر زرعی زمین کا عالمی دن
7 دسمبر شہری ہوابازی کا عالمی دن
9 دسمبر بدعنوانی کے انسداد کا عالمی دن
10 دسمبر انسانی حقوق کا عالمی دن
11 دسمبر پہاڑوں کا عالمی دن
18 دسمبر تارکین وطن کا عالمی دن
20 دسمبر انسانی یکجہتی کا عالمی دن

Human Rights Commission of Pakistan

جہدِ حق

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
''ایوان جمہور'' 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور
فون : 35838341-35864994 فیکس : 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ : www.hrcp-web.org
پرنٹر : مکتبہ جدیدپریس، 14ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15